A Page Turning Episode

;)

نمل (نمرہ احمد)

پچیسویں قسط:

"اک مسافت عالمِ تنویم میں....!"

لوگ کہتے ہیں کہ

زبردست محبت وہ ہوتی ہے

جو تمہیں بٹھاتی ہے،

پینے کو پانی دیتی ہے

اور تسلی آمیز انداز میں

تمہارے سر پہ تھپکی دیتی ہے۔

مگر میں کہتی ہوں کہ

زبردست محبت وہ ہے

جو تمہیں اڑا دے فضا میں

بھڑکا دے تمہارے وجود میں شعلے

تم آسمانوں میں جلتے ہوئے اڑتے جاؤ

اور رات کو ہما پرندے کی طرح روشن کر دو۔

ایسی محبت جو تمہیں جنگل کی آگ کی طرح

بھگاتی جائے اور تم.....

تم دوڑتے دوڑتے رکو نہیں۔

اور جس نے [illegible] بھی تم کو چھوڑ [illegible]

اسے جلا کر راکھ کرتے جاؤ۔

میں کہتی ہوں یہ ہے اچھی محبت۔

جو تمہیں جلا ڈالے

جو تمہیں اڑا ڈالے

اور تم اس کے ساتھ

بھاگتے چلے جاؤ.....

(سی جوائے بیل سی)

سرما کو اپریل کے سورج نے پگھلا کر گویا بھاپ بنا کے اڑا دیا تھا۔ وہ ایسا گیا کہ اب نام و نشان بھی نہیں ملتا تھا۔ فضا گرم تھی۔ ہوا ساکن تھی۔ گزشتہ برسوں کی نسبت اس سال موسم گرما بہار کے درمیان سے ہی شروع ہوا چاہتا تھا۔

کچہری کا جہنمی ہجوم ویسے ہی بھانت بھانت کی بولیاں بولتا راہداریوں سے گزر رہا تھا۔ البتہ اس کمرہ عدالت میں بند دروازوں کے باعث آوازوں کی آمد منقطع تھی۔ چبوترے پہ اونچی کرسی پہ براجمان سیشن جج جناب عابد آغا صاحب اپنے کاغذات الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ سامنے دونوں اطراف کرسیاں لگی تھیں۔ کورٹ رپورٹر اپنے کی بورڈ پہ ہاتھ جمائے تیار بیٹھا تھا۔ بولنے والوں کا ہر سچ اور ہر جھوٹ اچک کر صفحہ قرطاس پہ منتقل کرنے کو بے تاب تھا۔

دونوں جانب کی کرسیوں کے درمیان گزرنے کا کھلا سا راستہ بنا تھا۔ ہاشم کاردار ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ ساتھ سوٹ ٹائی اور جھکے سر والا شیرو موجود تھا' اور مزید آگے دیکھو تو جواہرات بیٹھی' بے زاری سے اپنے نیکلیس کو انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔ گاہے بگاہے وہ دائیں جانب بھی دیکھ لیتی جہاں دوسری میز کے پیچھے زمر اور سعدی ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ سر ایک دوسرے کے قریب کیے' وہ دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔ پچھلی کرسیوں پہ حنین اور اسامہ بیٹھے تھے۔ بالکل خاموش۔

اب تم واپس ہاشم کاردار کی طرف آجاؤ تو وہ اسی طرح مطمئن سا بیٹھا نظر آتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی اور چہرہ سنجیدہ سا لگتا تھا۔

''زمر صاحبہ' آپ شروع کریں۔'' جج صاحب نے کاغذات سے نظریں اٹھا کر زمر کو اشارہ کیا۔ ٹرائل شروع ہو چکا تھا۔ اس کے بولنے کا وقت آ گیا تھا۔ وہ سعدی سے ہلکا سا کچھ کہتی اٹھ کھڑی ہوئی' کوٹ ذرا کھینچ کر درست کیا۔ بال کان کے پیچھے اڑسے۔ اس کی ناک میں ننھے سے ہیرے کی لونگ دمک رہی تھی۔ ہاشم یونہی اسے دیکھے گیا۔ وہ اس لونگ اور اس میں چھپی داستانوں سے بے خبر تھا' مگر اس کی چمک سے اسے کچھ یاد آ رہا تھا... ذہن پیچھے کہیں تیرنے لگا تھا... اور ایک دم وہ **دو ماہ پہلے** کی اس صبح میں غوطہ زن ہو گیا تھا۔

''ڈاکٹر ایمن!'' سبزہ زار پہ اپنی کار کے ساتھ کھڑا وہ مسکراتے ہوئے اس عورت سے کہہ رہا تھا جس نے ہاتھوں میں ہیرے کی

انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ "تو وہ آپ تھیں نا۔ جنہوں نے مجھے وہ پاسپورٹ بھیجا تھا۔"

ڈاکٹر ایمن نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔ وہ جو کچھ اور کہنے جا رہی تھی رُک گئی۔ بھنویں ناسمجھی سے اکٹھی ہوئیں۔ "سوری، مگر کون سا پاسپورٹ؟"

"آپ.....نے..... مجھے....." وہ توڑ توڑ کر کہتا اس کے سامنے آیا۔ "ایک..... پاسپورٹ بھیجا تھا..... سعدی یوسف کا....."

اس نے اچنبھے سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ حیران ہوئی تھی۔ "نہیں میں نے آپ کو کچھ نہیں بھیجا۔ میں نے تو دو تین دفعہ بس آپ کے آفس کال کی تھی، ملنا چاہتی تھی۔ اگر آپ کو کسی نے میرے خلاف کچھ کہا ہے تو یقین مانیں اس میں کوئی صداقت نہیں ہے۔"

ہاشم نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کر غور سے اسے دیکھا۔ انداز سے لگتا تھا وہ سچ کہہ رہی ہے۔ اس نے سر جھٹکا۔

"خیر..... کیوں ملنا چاہتی تھیں آپ مجھ سے؟" انداز ذرا روکھا ہو گیا تھا۔ دلچسپی گویا ختم ہو گئی تھی۔

"میں فارس غازی کے خلاف آپ کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔ جب آپ ٹرائل میں اس کے بھانجے کے خلاف دلائل دیں گے تو....."

"ایک منٹ بی بی۔" اس نے انگلی اٹھا کر روکا۔ "کوئی ٹرائل نہیں ہو رہا۔ نہ کبھی ہوگا۔ یہ آپ لوگوں کی بھول ہے کہ ہم اور "وہ" کبھی دو خاندانوں کی طرح استغاثہ اور دفاع کی کرسیوں پہ کسی کورٹ روم میں بیٹھے ہوں گے۔ اور مجھے اگر آپ کی مدد کی ضرورت پڑی....." "اگر" پڑی تو میں خود آپ کو یاد کر لوں گا۔ ابھی آپ جا سکتی ہیں۔" اور سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھاتا، ہاتھ جلا کر ڈرائیور کو اشارہ کرتا وہ اندر بیٹھا۔ با ادب ملازم نے کالے شیشے والا دروازہ بند کر دیا۔ گاڑی زن سے سامنے سے گزر گئی اور ڈاکٹر ایمن جو ابھی کچھ کہہ ہی نہیں سکی تھی، تلملا کر اسے جاتے دیکھتی رہی۔

(آج)

"زمر صاحبہ..... آپ شروع کریں....." جج کی آواز کی بازگشت تھی جو اسے سنائی دی تھی۔ ہیروں کی چمک مدھم ہوئی۔ قدرے چونک کر ہاشم سیدھا ہوا، اور پھر اپنے اطراف میں دیکھا۔ وہ کمرہ عدالت میں بیٹھا تھا، اپنے خاندان کے ساتھ۔ اور دوسری طرف..... اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ وہاں پچھلی کرسیوں پہ حسین کے ساتھ فارس بیٹھا تھا۔ وہ شاید ابھی ابھی آیا تھا۔ اور ذرا پیر لمبے کر کے بیٹھا مسلسل چیونگم چباتے ہوئے سامنے دیکھ رہا تھا۔ صرف وہی تماشائی لگتا تھا۔ باقی سب شدید تناؤ کا شکار تھے۔ ہاشم کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے اس نے نگاہیں گھمائیں۔ سنہری آنکھیں سیاہ آنکھوں سے ملیں۔ ہاشم سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا، مگر سنہری آنکھیں مسکرائیں۔ ماتھے تک ہاتھ لے جا کر سر کو ذرا سا خم دیا۔ (سلام!) ہاشم نے نخوت سے رخ واپس پھیر لیا۔

"یور آنر!" زمر چبوترے کے سامنے زمین پہ کھڑی بات کا آغاز کر رہی تھی۔ "سرکار بنام نوشیرواں کا کردار کو درست طور پہ سمجھنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے سعدی یوسف کو سمجھنا ہوگا۔ ایک رشتہ دار کی حیثیت سے نہیں، ایک وکیل کی حیثیت سے میں معزز عدالت کو بتانا

چاہتی ہوں کہ سعدی یوسف کون ہے۔ اور سعدی یوسف کون تھا۔ میں آپ کو سعدی یوسف کی کہانی سنانا چاہتی ہوں۔"

جج صاحب توجہ سے اسے دیکھ رہے تھے۔ حنین کی نظریں بھی زمر کی پشت پہ جمی تھیں۔ وہ اس کے الفاظ پہ فوکس کرنا چاہتی تھی' ایک ایک لفظ دھیان سے سننا چاہتی تھی' مگر کورٹ رپورٹر کے کی بورڈ پہ ٹھک ٹھک چلتے ہاتھوں کی آواز دھتنا زمر کی آواز اس کا دھیان بٹا رہی تھی۔ پھر یکایک ساری آوازیں پس منظر میں چلی گئیں اور دھیرے دھیرے کمرہ عدالت اس کے بیڈروم میں تبدیل ہوتا گیا.....

(دو ماہ پہلے)

وہ اپنے کمرے میں کھلی کھڑکی کے ساتھ کھڑی تھی۔ پریشان نگاہیں باہر لگی تھیں۔ زمر سر دونوں ہاتھوں میں گرائے بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ تبھی دروازہ کھلا اور سعدی تیزی سے اندر داخل ہوا۔

"وہ بھاگ چکا ہے۔ سرخ مفلر والا آدمی۔ گارڈ کہہ رہا ہے کہ وہ اس کے پیچھے بھاگا تھا مگر تب تک وہ گلیوں میں گم ہو چکا تھا۔" وہ پھولے سانس کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ "اب وہ کسی ہمسائیوں کے گھر میں کود چکا ہے۔ گارڈز گئے ہیں مگر میرا نہیں خیال کہ وہ اب ملے گا۔" پھر حنین کو دیکھا۔

"تمہارا میموری کارڈ.... کیا تھا اس میں؟"

وہ ابھی تک کھڑکی میں دیکھ رہی تھی اب کہ آہستہ سے چہرہ گھما کر سعدی کو دیکھا۔ آنکھوں میں بدلی تھی۔

"وہ علیشا نے ہمیں دیا تھا۔ ہم اتنے سال اس کو لے کر پھرتے رہے آپ کے کی چین میں مگر اس کو استعمال نہیں کر سکے۔"

"مگر اس میں تھا کیا؟" زمر نے تھکی تھکی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ حنین نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"کرنل خاور کے بیٹوں کو ہاشم نے مروایا تھا۔ اور مسز کاردار نے۔ پھر الزام ایک آفیسر پہ ڈال دیا جو خاور کے کیس کی تفتیش کر رہا تھا۔ یہ اگلے سو سال کی منصوبہ بندی کرنے والے لوگ ہیں۔ اس لیے یہ اتنے امیر اور اتنے کامیاب ہوتے ہیں۔ جب یہ کسی کو اپنا دستِ راست بناتے ہیں تو اس کی ساری کشتیاں جلا دیتے ہیں۔ خاور نہیں جان سکا۔ اس نے اس بریگیڈیئر کی آنکھوں کے سامنے اس کے خاندان کو مارا اور پھر اس کو بھی مار دیا۔ اس کو بعد میں علم ہوا کہ اس بریگیڈیئر کا ایک اور بیٹا بھی ہے جو امریکہ میں زیرِ تعلیم ہے۔ اور اس کو وہ خفیہ اولاد کی طرح چھپا کر رکھتا ہے۔" حنین سانس لینے کو رکی۔ یہ باتیں بتانا عجیب لگ رہا تھا۔ سعدی غور سے اور زمر عدم توجہی سے سن رہی تھی۔ "خاور کا اس بچے سے کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ اس نے صرف بریگیڈیئر کو اذیت دینی تھی۔ جب دے دی تو انتقام ختم ہوا۔ اس نے اس لڑکے کو تلاش کرنا چاہا مگر وہ اس کو مار کر کیا کرتا؟ بریگیڈیئر بنگش کے دوستوں نے اسے روپوش کرا دیا۔ خاور کو صرف اس کی ایک گھڑی ملی تھی جس پہ اس لڑکے کا پارشل فنگر پرنٹ تھا۔ اس کارڈ میں ایک ویڈیو تھی جو یقیناً مسز کاردار نے بنوائی تھی۔ اس میں خاور ان کے سامنے آ کر اعترافِ جرم کرتا ہے اور وہ اس کو نوکری پہ رکھ لیتے ہیں گویا اپنے پروں میں چھپا لیتے ہیں۔ یوں ان کو وفادار ملازم بھی مل گیا اور اس کی دکھتی رگ کو بھی ہاتھ میں لے لیا جس سے وہ کبھی بھی اس کو اپنے جوتے تلے مسل سکتے ہیں۔ علیشا نے وہ پورا فولڈر کاپی کیا تھا۔ اس میں کچھ تصاویر تھیں۔ وہ ویڈیو

تھی۔اور ایک پارشل فنگر پرنٹ کی فائل تھی۔جواہرات کے لیپ ٹاپ سے لیا اس نے یہ سب اور مجھے یاد ہے وہ کبھی بھی خاور کو اپنے کمپیوٹر کو ہاتھ نہیں لگانے دیتی تھیں۔علیشا ہیکر تھی۔انہی جرائم کی وجہ سے وہ جیل گئی تھی۔اس کے پاس نیشنل ڈیٹا بیس تک رسائی تھی۔اس نے اس پارشل فنگر پرنٹ کو ڈھونڈ نکالا۔شاید خاور امریکہ میں ہوتا اور دلچسپی لیتا اور کاردارز نے اسے مصروف نہ کر رکھا ہوتا تو وہ بھی ڈھونڈ نکالتا مگر اس کا تو انتقام پورا ہو گیا تھا۔مگر انتقام کے سائیکل میں ایک سروائیور رہ جاتا ہے۔اور وہ اس چکر کو الٹا چلاتا ہے۔وہ لڑکا سلطان کئی برس کی انتھک محنت کے بعد اور نگزیب کاردار کے پاس ملازمت کرنے آتا ہے۔اس کے ڈرائیونگ لائسنس کی کاپی اس کارڈ میں تھی اور میں دیکھتے ہی پہچان گئی تھی کہ یہ احمر شفیع کی پرانی تصویر ہے۔"

"احمر؟ وہ انجنئی؟" سعدی کو دھکا لگا تھا۔زمر خاموش رہی۔اسے اب کوئی بھی بات حیران نہیں کرتی تھی۔

"میں نے یہ ساری باتیں فارس ماموں کو بتائیں تو انہوں نے احمر سے یہ سب پوچھا۔یہ بات احمر نے انہیں بتائی کہ اس کے والد نے نہیں کاردارز نے خاور کے بیٹوں کو مارا تھا۔ چونکہ فارس ماموں نے خود اس دن خاور کو جانے دیا تھا زمر کے کہنے پہ حالانکہ بعد میں خاور نے زمر پہ گولی بھی چلانی چاہی، مگر انہوں نے احمر سے کہا کہ وہ اسے جانے دے ورنہ خاور اس کو اکسا کر اسے کہے گا کہ مجھے مار ڈالو اور یوں احمر مجرم بن جائے گا۔انتقام کا چکر الٹا ہو گا۔خاور کا تیسرا بیٹا ابھی زندہ ہے۔وہ احمر کو جینے نہیں دے گا۔مگر احمر نے بات نہیں مانی۔اس نے ہی کیا ہے جو بھی اس نے کیا ہے خاور کے ساتھ۔خاور کے ایکسیڈنٹ اور فالج کے بارے میں تو آپ سب نے ہاشم کے ٹوئٹر پہ پڑھ لیا ہو گا۔خیر مجھے خاور سے کوئی ہمدردی نہیں ہے اس لیے میں نے اس کے بیٹے کو سب بتا دیا ای میل کر کے۔فارس ماموں بھی صبح ادھر ہی گئے ہیں۔وہ ایک دفعہ......"

"تم نے اسے کاپی کیوں نہیں کیا؟ ہم اسے کورٹ میں استعمال کر سکتے تھے۔" سعدی جھنجلایا تھا۔خاور سے وہاں کسی کو دلچسپی نہ تھی۔

"بھائی وہ کاپی نہیں ہو رہی تھی اور میں نے وہ بہت سنبھال کر رکھی تھی۔"

"حنین۔" زمر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔"کس کس کو علم تھا کہ وہ تم نے کہاں رکھی ہے؟ کسی ملازم نے دیکھا تھا تمہیں وہ رکھتے ہوئے؟"

"نہیں زمر۔سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اس کی جگہ، اس دراز کی چابی کی جگہ میرے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔کوئی بھی نہیں جانتا۔" وہ سچ کہہ رہی تھی۔"پہلے وہ فلیش ڈرائیو خالی نکلی اور اب یہ سارے ثبوت گئے۔شاید Yousufs اتنی بھیانک اور تاریک چیزیں رکھنے کے اہل ہی نہیں ہیں۔" حنین نے دل گرفتگی سے ایک اور سچ بولا۔سعدی نے نفی میں سر ہلایا۔

"اونہوں۔مجھے یقین ہے جب سونیا کی سالگرہ کی رات میں نے ہاشم کے کمرے میں جا کر وہ فلیش ڈرائیو کاپی کی تھی تو اس کے اندر کافی سارا مواد موجود تھا۔میموری تقریباً فل ہو گئی تھی۔اور اب اس میں فروزن کے سوا کچھ نہیں ہے۔یقیناً کسی نے اہم ڈاکومنٹس اس میں سے مٹائے ہیں۔"

''کوئی میری ناک کے نیچے میری فلیش سے کیسے کچھ مٹا سکتا ہے؟''

''جیسے کوئی تمہاری دراز سے کارڈ نکال کرلے جا سکتا ہے۔ یقیناً اس شخص کو ہاشم نے بھیجا ہوگا اور اسے اس فلیش کا پاسورڈ معلوم ہوگا۔ نہ ہم خود محفوظ ہیں' نہ ہمارے گھر۔'' سعدی تلخی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ حنین نے بے اختیار زمر کو دیکھا تھا۔ ''اب کیا ہوگا؟ ٹرائل کے لئے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔''

ذرا دیر بعد زمر نے چہرہ اٹھایا تو لگتا تھا وہ خود کو قدرے سنبھال چکی ہے۔

''پاکستان میں ایسے ہی ہوتے ہیں ٹرائلز۔ مخالف فریق ٹرائل شروع ہونے سے قبل ہی ہمارے ثبوت مٹا دیتے ہیں۔ لیکن کوئی بات نہیں۔'' وہ بالوں کو لپیٹ کر جوڑے کی شکل دیتی اپنی جگہ سے اٹھی۔

''ہمارے پاس ہماری زبانیں' ہمارے دلائل اور ہمارے گواہ موجود ہوں گے۔ ٹرائل ہوگا اور ضرور ہوگا' اور اسے ہم ہی جیتیں گے' اور اگر نہ بھی جیت سکے تو کم از کم۔۔۔۔'' اس نے سنجیدگی سے حنین کو دیکھا۔

''It would be worth trying.''

(آج)

''یور آنر!'' حنین نے سر جھٹکا۔ اردگرد چلتا منظر بجلی جانے پہ بند ہونے والی ٹی وی کی طرح غائب ہوگیا۔ وہ ذرا سنبھل کر سیدھی ہو کر بیٹھی۔ کمرہ عدالت اس کے اطراف میں آ بسا تھا اور وہاں سب دم سادھے زمر کو سن رہے تھے جو جج کے چبوترے کے سامنے کھڑی بات کا آغاز کر رہی تھی۔ یہاں سے اس کی پشت نظر آتی تھی۔ سیاہ کوٹ کے اوپر گھنگریالے بال آدھے بندھے گر رہے تھے اور وہ وقفے وقفے سے کان کے پیچھے ایک لٹ اڑستی تھی۔

''میرے موکل سعدی یوسف کی کہانی 21 مئی کو نہیں شروع ہوئی تھی۔ یہ اس سے بہت پہلے شروع ہوئی تھی۔'' چہرہ موڑے بغیر سعدی کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے اس نے بات جاری رکھی۔ وہ بس زخمی آنکھوں سے سامنے دیکھے گیا۔

''جو سعدی یوسف اس وقت کمرہ عدالت میں انصاف کا طالب بن کر بیٹھا ہے' یہ وہ سعدی نہیں ہے جس کو اس کے گھر والے گزشتہ کئی برسوں سے جانتے ہیں۔ وہ سعدی اور تھا۔ وہ زندہ دل تھا۔ لوگوں کو معاف کرنے والا' درگزر کرنے والا تھا۔ ملک کی خدمت کا جذبہ لے کر اس نے اپنی ملازمت کا آغاز کیا تھا۔ وہ ایک محنتی اور قابل نوجوان تھا۔ اس کے پاس ٹیلنٹ تھا' ہنر تھا' ذہانت تھی۔ اگر اس کو کام کرنے دیا جاتا' اس کو مواقع ملتے تو وہ کہاں سے کہاں پہنچ چکا ہوتا' مگر یور آنر میرے ملک کے نوجوانوں کو اگر اسی طرح پھلنے پھولنے دیا جائے تو معروف اور امیر آئی پی پیز کے آتش دان ٹھنڈے نہ پڑ جائیں؟ اگر ان نوجوانوں کو یونہی بڑے بڑے پراجیکٹس پہ محنت اور لگن سے کام کرنے کی اجازت دے دی جائے تو وقت کے فرعونوں کی غلامی کون کرے گا؟''

ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا ہاشم' گال تلے انگلی رکھے اطمینان سے زمر کو دیکھ رہا تھا۔ آخری بات پہ آگے کو جھکا' نوٹ پیڈ اٹھایا اور اس پہ

چند الفاظ تحریر کیے۔

"سعدی یوسف۔غریب کارڈ۔محبِ وطن کارڈ" نوٹس لے کر اس نے پیڈ ڈال دیا اور توجہ سے سننے لگا۔وہ اب چبوترے کے سامنے چلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ہاتھ ہلا کر۔دائیں سے بائیں ٹہلتی۔

"سعدی یوسف کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی اس کی معصومیت تھی۔اس نے سمجھا کہ شاید دوسرے لوگ بھی اس کی طرح ہوتے ہیں' ان کو اللہ کا خوف دلاؤ تو وہ سدھر جاتے ہیں۔اور اسی خیال کے تحت وہ 21 مئی کی صبح ہاشم کاردار کے بلانے پہ اس کے آفس گیا تھا۔یور آنر وہ وہاں پر ان سے جھگڑا کرنے' یا ان کو مارنے کی نیت سے نہیں گیا تھا' بلکہ وہ وہاں ان کو قانون کی حرمت کا احساس دلانے گیا تھا۔"

ہاشم سنجیدگی سے سنتا رہا۔چہرے پہ وہی تاثرات برقرار رہے۔

"اس موقعے پہ ہاشم کاردار نے سعدی یوسف کو تین کروڑ روپے لے کر اپنا منہ بند کرنے کی پیشکش کی' جسے اس نے ٹھکرا دیا۔یہ اسی وقت تھا جب ملزم نوشیرواں کاردار سے اس کی تلخ کلامی ہوئی مگر نہ ہی سعدی یوسف نے کسی پہ ہاتھ اٹھایا نہ لمبی تکرار کی بلکہ چند الفاظ کہہ کر وہ وہاں سے چلا آیا۔ ایک پچیس سال کے نوجوان کے خاندان کی عورتوں کے بارے میں نازیبا باتیں کی جائیں تو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ مخالف کا منہ نہ توڑ دے۔مگر سعدی یوسف نے زبانی تلخی کے سوا کچھ نہیں کیا۔وہ قانون توڑنے والوں میں سے نہیں تھا۔وہ قانون کی بالادستی اور انصاف قائم کرنے کے لئے ان کو نصیحت کرنے گیا تھا۔کسی بھی قسم کی قانونی چارہ جوئی سے پہلے وہ خیر کا ایک آخری راستہ دکھانے گیا تھا ان کو' شاید کہ وہ نادم ہوں' شاید کہ وہ پلٹ آئیں تو ان کی سزا میں کمی ہو جائے۔ایسا تھا ہمارا سعدی۔دشمنوں کا بھی خیر خواہ۔" زمر نے رک کر چہرہ موڑا۔سعدی اب سر جھکائے بیٹھا تھا۔سب خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ہاشم البتہ انہماک سے پیڈ پہ الفاظ کا اضافہ کر رہا تھا۔

"کریکٹر اسکیچ۔مسیحا' ہمدرد۔غریب بمقابلہ امیر۔مختصر یہ کہ فرشتہ کارڈ کھیل رہی ہے پراسیکیوٹر۔" اور اس کا دماغ زمر کے ہر کارڈ کا توڑ سوچ رہا تھا۔پہلے نوٹ پیڈ پہ نظریں جمائے وہ زمر کی باتیں سن رہا تھا مگر بار بار دھیان بٹ سا جاتا تھا۔نوٹ پیڈ کے صفحے بالکل زرد تھے۔سورج مکھی کے پھولوں جیسے زرد۔اور اس زردی میں بہت سے بلب جگمگانے لگے.....

(دو ماہ پہلے)

اس کے آفس کا کاریڈور صبح کے باوجود زرد بتیوں سے جگمگا رہا تھا۔وہ تیز تیز چلتا جا رہا تھا۔ذہن میں ڈاکٹر ایمن کی باتیں گونج رہی تھیں۔وہ جمع تفریق کر رہا تھا۔جوڑ توڑ کر رہا تھا۔

اپنے آفس کے دروازے پہ وہ ٹھہرا۔چہرے پہ خوشگوار مسکراہٹ در آئی۔موڈ ایک دم اچھا ہو گیا۔

"زیڈ؟" اس نے مسکرا کر آفس میں قدم رکھا۔وہ جو کرسی پہ بیٹھی تھی' چونک کر مڑی۔پھر کھڑی ہو گئی۔چہرے پہ بدقت پھیکی سی مسکراہٹ لائی۔سرخ رومال سر پہ لپیٹ کر گردن کے پیچھے گرہ لگائے ہوئے تھی' اور کانوں میں آنسو شکل کے سرخ یاقوت لٹک رہے تھے۔سبز مائل آنکھیں بے خوابی کے باعث اندر سے گلابی ہو رہی تھیں' مگر پھر بھی وہ سنبھل کر مسکرا رہی تھی۔

''گریم ریپر!'' ہاشم اس طرز تخاطب پہ ہلکا سا ہنستا اندر آیا اور میز کے پیچھے جا کر' کوٹ کا بٹن کھولتے ہوئے اپنی کرسی سنبھالی۔

''مجھے اس نام سے پکارنا بند کر سکتی ہو' آبی؟'' کرسی کو میز کے قریب لاتے اس نے چند چیزیں اٹھا کر الٹ پلٹ کیں۔ چہرے پہ وہی وجیہہ مسکراہٹ تھی۔ سارا ماحول گویا معطر ہو گیا تھا۔

آبدار دھیرے سے کرسی پہ واپس بیٹھی۔ اس کی گم صم نگاہیں ہاشم کے چہرے پہ جمی تھیں۔

''ناشتہ کیا ہے؟ کیا منگواؤں تمہارے لیے؟''

''میں سمندر کی گیلی ریت پہ لیٹی تھی... میرا اندر پانیوں میں ڈوب چکا تھا۔'' وہ کسی گہرے خیال میں بول رہی تھی۔ ''کیا پھیپھڑے اور کیا دل... سب پانی تھا... ایسے میں کوئی میرے اوپر جھکا تھا... اس کی شرٹ کی پشت پہ ننھا سا سیپ چپکا تھا... اس سیپ میں تین رنگ تھے... گویا رگوں کی طرح ابھرے ہوئے تھے... تب میں نے اسے فرشتہ سمجھا تھا... موت کا فرشتہ... مگر اس موت کے فرشتے نے مجھے نئی زندگی دی۔''

وہ جو فون اٹھا کر آرڈر کرنے لگا تھا' ریسیور واپس ڈال کر مسکرا کے اسے دیکھنے لگا۔ وہ گم صم سی دیوار کو دیکھتی بول رہی تھی۔ ''اور اب وہ چاہتا ہے کہ میں اس کی زندگی میں شامل ہو جاؤں۔'' (ہاشم مسکراتا رہا۔) اب... جب کہ ایک دنیا... اسے شیطان کہنے لگی ہے۔''

ہاشم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ دماغ گویا بھک سے اڑا۔ اس نے لب کھولے مگر پھر بھینچ لیے۔ سمجھ نہیں آیا کیا کہے۔

''اور وہ چاہتا ہے کہ میں... اس کی زندگی میں شامل ہو جاؤں۔ سمر ویڈنگ یا اسپرنگ ویڈنگ!'' آبی کی گم صم نگاہیں اس کے چہرے پہ آ ٹھہریں۔ ''سمر ویڈنگ یا سپرنگ ویڈنگ... یہی پوچھا تھا نا تم نے!''

''آبی تم سوچنے کے لئے وقت لے سکتی ہو اور پھر...''

''اور پھر میں وہ عورت بن جاؤں گی جو شہر کے ساتویں eligible bachelor کی ملکہ بن کر اس کی زندگی میں آئے گی' اور اس کے ساتھ ہر جگہ' ہر تصویر' ہر میگزین کور پہ کھڑی ہو گی' اس کے ساتھ سیاہ گلاسز لگائے کالے شیشوں والی لمبی گاڑی سے نکلا کرے گی مگر لوگ...'' وہ آگے ہوئی۔ مسکراہٹ نہیں تھی' آنکھوں میں آنچ تھی۔ سرخی تھی۔ ''مگر لوگ سامنے سرخ قالین بچھا کر اس کے انتظار میں پھول لئے نہیں کھڑے ہوں گے۔ لوگ پوسٹرز اور بینرز اٹھا کر کھڑے ہوں گے' رپورٹرز مائیک لہرا لہرا کر پوچھیں گے کہ سعدی یوسف کی زندگی کا خون کرنے کے بعد تم لوگ سر اٹھا کر کیسے جی رہے ہو؟''

''وہ سب جھوٹ ہے۔ میں نے اس کو صرف اغوا کیا تھا' مگر اس کے خاندان کے افراد ہم نے قتل نہیں کیے' نہ ہی شیرو نے اسے گولیاں ماری تھیں۔'' وہ تلملا کر بولا تھا۔ ''اسے نیاز بیگ نے مارا تھا' میں صرف اسے اس کے دشمنوں سے محفوظ رکھ رہا تھا مگر وہ اتنا ناشکرا ہے کہ...'' شدت جذبات سے سرخ پڑتے چہرے کے باعث وہ بول ہی نہیں پا رہا تھا۔

''وہ ناشکرا ہے یا شکر گزار' وہ... بول رہا ہے' اور دنیا اس کو سن رہی ہے۔ دنیا اس کو دیکھ رہی ہے۔ دنیا اس کے انکشافات سے لطف اندوز

ہو رہی ہے۔اس کا کیس اگلے بیس سال عدالت میں چلے گا مگر بیس سال کس نے دیکھے ہیں۔'' وہ تڑپ کر بولی تھی۔''میری زندگی کے.... تمہارے ساتھ میری زندگی کے پہلے دو سال.... دو کریم ایئرز وہ لے لے گا۔کم از کم دو سال تو میڈیا اور لوگ اس کو یاد رکھیں گے نا۔میں دو سال تک اخبارات' ٹی وی اور سوشل میڈیا پہ الزامات پڑھتی رہوں گی۔وہ بولتا رہے گا اور لوگ اسے سنتے رہیں گے۔میں جب گھر سے نکلوں گی' پبلک مجھے نفرت سے دیکھے گی۔کیونکہ وہ تمہارا اور نوشیرواں کا میڈیا ٹرائل کر چکے ہیں۔پبلک تمہیں مجرم قرار دے چکی ہے۔ان کی باتیں مجھے گھر میں قید کر دیں گی۔میں باہر تک نہیں نکل سکوں گی۔سنا تم نے۔جرم تم پہ ثابت ہوا ہے اور جیل مجھے ہو جائے گی۔''

''ہم کسی اور ملک چلے جائیں گے' تمہیں کچھ نہیں سننا پڑے گا۔'' وہ آگے کو ہوا جلدی سے کہنے لگا تھا۔

''لیکن اگر تم قاتل نہیں ہو' اگر تم نے کچھ غلط نہیں کیا تو ہم کیوں بھاگیں؟ اگر تم اور نوشیرواں بے قصور ہو تو اس کی زبان بند کیوں نہیں کرتے؟'' آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔گود میں رکھے اس کے ہاتھ ہولے سے کپکپا رہے تھے۔دل زور زور سے دھڑک رہا تھا مگر وہ بظاہر جذباتی چہرہ بنائے' کہے جا رہی تھی۔''ان کو چپ ہونا ہوگا ہاشم' ورنہ تمہارے خاندان سے خود کو کبھی منسلک نہیں کروں گی' جب تک یہ گندگی تمہارے ساتھ ہے۔''

''میں کیا کروں؟ تم کیا چاہتی ہو' میں کیا کروں؟'' وہ آگے ہوتے ہوئے بولا۔بار بار وہ سر جھٹکتا تھا' کبھی انگلیاں باہم پھنسا کر کھولتا تھا۔

''ان کو چپ کرواؤ' پبلک رائے کو بدلو۔'' اگلے الفاظ کہنے سے پہلے اس نے دل میں کہا تھا۔(وہ تمہارے لئے...فارس غازی...یہ کبھی نہیں کرے گی۔) اپنا...دفاع کرو۔اپنی بے گناہی ثابت کرو۔یوں کہ دنیا مان جائے' تم سچے تھے۔تمہارا بھائی سچا تھا۔میڈیا...سوشل میڈیا...نوجوان...سب اس کے ساتھ کھڑے ہیں۔وہ مشہور ہوتا جا رہا ہے۔وہ ہیرو بن رہا ہے۔کیونکہ اس کا میڈیا ٹرائل نہیں ہو رہا۔تمہارا ہو رہا ہے۔تم پہلے ہی ٹرائل کی زد میں ہو تو اب...اس کو گھسیٹو ٹرائل میں! ہاشم کاردار....'' اس نے میز پہ ہاتھ رکھ کر' آگے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔''اس کو عدالت میں لے کر آؤ اور اس کے سارے الزامات کا توڑ کرو۔اس کو وہاں تباہ کرو' اس کو جھوٹا ثابت کرو مگر ایسا کرنے کے لیے تمہیں اس کے ساتھ ایک کورٹ روم میں کھڑا ہونا ہوگا۔اور پھر' جب خود کو دنیا کی نظروں میں بری کروا لو...اور چونکہ تم بے گناہ ہو تو کروا ہی لو گے۔تب مجھے پرپوز کرنا۔میں اپنا فیصلہ تب تک کے لیے محفوظ رکھتی ہوں۔'' اور پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''If you want me, earn me!'' اپنا بیگ دبوچنے والے انداز میں اٹھایا اور اسے دل گرفتگی سے خود کو دیکھتے چھوڑ کر وہ باہر نکل آئی۔دروازہ بند کر کے وہ تیزی سے حلیمہ کی میز پہ آئی' پانی کی بوتل اٹھائی' اور غٹاغٹ پانی پیتی گئی۔حلیمہ بے اختیار کام سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔آبی نے بے ترتیب سانسوں کے درمیان بوتل واپس رکھی اور آستین سے تر پیشانی پونچھتی آگے بڑھ گئی۔

اندر بیٹھے ہاشم کا سارا موڈ خراب ہو چکا تھا۔وہ ٹائی ڈھیلی کیے سوچتی نظروں سے خالی دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

(آج)

"یور آنر ہوا یوں کہ..." زمر کی آواز دور کسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ ہاشم نے ذہن سے تمام خیالات کو جھٹک کر نگاہیں اٹھائیں اور خود کو واپس کمرہ عدالت میں لے آیا۔ وہ جج کے چبوترے کے سامنے کھڑی تھی' یہاں سے اس کا نیم رخ دکھائی دیتا تھا۔ گھنگریالی لٹ گال کو چھو رہی تھی اور بھوری آنکھیں جج کے چہرے پہ جمی تھیں۔

سب خاموشی اور محویت سے اسے سن رہے تھے۔

"ہوا یوں کہ اکیس مئی کی شام جب ایک خوش باش' زندگی سے بھرپور سعدی یوسف گھر واپس آتا ہے' اور اپنے سارے خاندان کو ڈنر پہ مدعو کرتا ہے' اس وقت بھی اس کو خاندان کے اس ایک فرد کا بھی خیال ہوتا ہے جو وہاں نہیں جائے گا۔ ڈاکٹر سارہ جو خود کو خاندانی جھمیلوں سے دور رکھتی ہیں' اس وقت وہ ان کو وہاں بلاتا ہے' ان کو اپنے خاندان اور زندگی کی طرف لوٹ کر آنے کے لئے منانے' ان کو ان کے اصل دشمنوں کی خبر دینے' کیونکہ اب اس کے پاس ثبوت بھی تھے۔ مگر وہاں... اس تاریک گلی میں اس کا پیچھا کرنے' اس کو دھمکانے' اور زبانی تلخ کلامی کا بدلہ گولی سے لینے کے لئے ملزم نوشیرواں کاردار آتا ہے' اور وہ اس وقت تک وہاں سے نہیں جاتا جب تک وہ سعدی کے جسم میں تین گولیاں پیوست کر کے' اس کو مار پیٹ کر نیم مردہ حالت میں نہیں پہنچا چکا ہوتا۔ یور آنر.... پولیس اور گواہوں کو خرید کر میرے زخمی موکل کو ہسپتال سے غائب کروا دینے کے بعد اسے آٹھ ماہ اور ایک دن تک حبس بے جا میں رکھنے کا ذمہ دار نوشیرواں کاردار ہی ہے۔ ہاشم کاردار اس کا ایک معاون تھا' مگر اصل مجرم نوشیرواں ہے۔ یہ سب کچھ اس کے حکم پہ اور اس کی ایما پہ ہوا۔ امیر لڑکوں کا یہی مسئلہ ہے۔ اگر ان کے نام کے آگے کانجو' جتوئی' کاردار یا تالپور لگتا ہے تو ان کو کسی دوسرے نوجوان سے حسد نکالنے کے لیے اس کو مارنے کا بہانہ مل جاتا ہے۔ میرے لیے سب کی ذات برابر اور قابل احترام ہے لیکن ہمارے یہ رئیس اپنی حرکتوں سے اپنی ذات کو خود بدنام کرتے ہیں یور آنر۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا جب ان کا احتساب کیا جائے؟"

ہاشم نے پیلے کاغذ پہ ایک سطر مزید کھینچی۔

"صرف شیرو کیوں؟ ہاشم کاردار کیوں نہیں؟" لکھ کر پرسوچ نظروں سے اس نے پہلی قطار میں پرے بیٹھے سعدی کو دیکھا۔ اور پھر زمر کو۔ زمر نے اس کی نگاہوں کی حدت محسوس کر لی تھی یا کیا' اس نے پلٹ کر ہاشم کو دیکھا۔ ہاشم نے رخ موڑ لیا مگر زمر ادھر ہی دیکھتی رہی۔ یونہی۔ بے مقصد۔ پھر یکایک نظروں کے سامنے سے عدالتی کمرے کی کرسیاں اور وہ تماشائیوں جیسے لوگ غائب ہوتے گئے۔ ہوا نے اس کے ذہن کو پیچھے کھینچا' اور وہ اس رو میں بہتی چلی گئی.....

(دو ماہ پہلے)

مورچال کے اندر وہی سوگوار ماحول تھا۔ زمر نے کمرے کی طرف جاتے ہوئے رک کر کچن میں دیکھا۔ وہاں حنین اور سعدی آمنے سامنے کھڑے... [illegible] بات کر رہے تھے۔

''ہمارے سب ثبوت ختم ہوتے جا رہے ہیں۔'' وہ پریشانی سے کہہ رہا تھا۔ حنین ناخن مسلسل دانت سے کترتی اسے دیکھ رہی تھی۔

''وہ ویڈیو تو ہے نا جو آپ نے ہاشم کے آفس میں بنائی تھی۔ اس میں ہاشم نے اعتراف جرم کیا تھا۔''

''ہم اسے عدالت میں استعمال نہیں کر سکتے۔'' زمر نے چوکھٹ پہ رک کر کہا تو دونوں مڑ کر اسے دیکھنے لگے۔ ''قانونی پیچیدگیاں ایک طرف اس ویڈیو میں ہاشم نے یہ بھی کہا ہے کہ کس طرح اس نے حنہ کے ایگزام کے دوران اس کی مدد کی۔ لاء کالج کے اس سینئر وکیل صاحب کی کال بھی ہے اس میں۔ ہم وہ ویڈیو جج کو نہیں دکھا سکتے۔''

حنین کا چہرہ بجھ گیا۔ مگر سعدی تیزی سے بولا۔ ''اگر ہم اسے ایڈیٹ کر دیں تو!''

''تو وہ اوریجنل نہیں رہے گی اور عدالت میں قابل قبول نہیں ہو گی۔''

''یہ اچھا حساب ہے!'' وہ بے زار سا ہو گیا۔ حنہ ابھی تک ناخن کتر رہی تھی۔ زمر چپ چاپ آگے بڑھ گئی۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی اور فون پہ ایک کال ملانے لگی۔

''احمر۔ فارس کہاں ہے؟'' چھوٹتے ہی اس نے پوچھا تھا۔

''آخری اطلاعات تک میں اس کی بیوی نہیں تھا۔ سو مجھے کیسے پتہ ہو گا؟'' زمر کے لبوں پہ سوگوار مسکراہٹ بکھری۔ عرصے تک خود کو چھپا چھپا کر اور لوگوں کو اپنے دائرے سے باہر نکال کر رکھنے کی عادت ڈال لینے والا احمر آج مدتوں بعد پہلے جیسا لگا تھا۔

''خیر۔ کیا یہ سب سچ ہے؟''

''کیا؟'' وہ محتاط سا بولا۔

''جو میں سن رہی ہوں۔''

احمر نے گہری سانس لی۔ ''غازی کا میسج آیا تھا مجھے۔ کہہ رہا تھا میں اسے جانے دوں۔ مگر مجھے یاد ہے' آپ نے اس کے اپنے ریسٹورانٹ میں آنے کے بارے میں پولیس رپورٹ میں کہا تھا کہ جب غازی نے اسے جانے دیا تو بھی اس نے آپ پہ گولی چلانی چاہی۔ کیا ایسے شخص کو چھوڑ دینا چاہیے؟'' ایک دم سنجیدہ اور گہرا سا احمر.... کچھ اچھا نہیں لگا۔ زمر نے گہری سانس لی۔

''میں تو اس بنک سیم کی بات کر رہی تھی جو آپ نے میرا رکھا ہوا تھا۔ کیا یہ سچ ہے؟''

احمر گویا کرسی سے اچھل کر سیدھا کھڑا ہو گیا ہو۔ ''کون سا بنک سیم؟ میں دیکھیں بہت مہذب انسان ہوں۔ یہ آپ کا شوہر ہے انتہائی دو نمبر آدمی۔ اس کی عادت ہے اپنے کیے ہوئے کام دوسروں کے سر ڈالنے کی۔ مجھے اس معاملے سے دور رکھیں۔''

''اصل میں آپ دونوں ہی بہت مہذب ہیں۔ بس مجھے سمجھ نہیں آتا کہ زیادہ مہذب کون ہے۔ اور زیادہ شریف کون۔ بہر حال' جلد سے جلد خود کو کاردارز کی قید سے نکال لیجئے۔ اور اس سے پہلے کہ وہ آپ کی حقیقت جانیں' آپ کو یہاں سے بہت دور چلے جانا چاہیے۔'' یہ وہ آخری بات تھی جو اس نے کال پہ احمر سے کہی تھی۔

(آج)

جج صاحب کھنکھارے تو زمر نے چونک کر انہیں دیکھا' پھر سر جھٹک کر آگے آئی۔

''یور آنر' ہمارے پاس گواہ ہیں جو حلف لے کر گواہی دیں گے کہ کس طرح سعدی یوسف کو کولمبو کے ایک ہوٹل کے زیر زمین تہہ خانے میں رکھا گیا۔ اس کو وہاں مختلف طریقوں سے ٹارچر کیا گیا۔ ہم اس کو وہاں مقید دیکھنے والے ایک ایک شخص کو عدالت میں پیش کریں گے اور ان کے بیانات سے یہ پتہ لگانا مشکل نہیں ہو گا کہ یہ لڑکا سچ بول رہا ہے۔ اور یہ ایک بہت کٹھن جنگ لڑ کر آیا ہے۔''

حاضرین میں بیٹھے فارس نے بور سے ہو کر گردن کو دائیں کندھے کی طرف جھکایا' پھر بائیں کندھے کی طرف۔ گویا پٹھوں کو آرام دیا۔ پھر ایک سرسری سی نگاہ اردگرد دم سادھے بیٹھے حاضرین پہ ڈالی۔ ذہن کے نہاں خانوں میں ایک منظر لہرا کر اوپر آنے لگا تو اس نے اسے چھو لیا... گویا پیالے میں رکھی کوئی یاد ہو جسے چھونے سے انسان وقت میں پیچھے چلا جائے....

(دو ماہ پہلے)

لونگ روم کی کھڑکی پہاڑوں کی گردن تک اترے اجلے اجلے بادل صاف دکھائی دے رہے تھے۔ کھڑکی کے نیچے رکھے صوفے پہ بیٹھا نو عمر لڑکا الجھن سے سامنے بیٹھے فارس کو دیکھ رہا تھا۔

''کیسی کہانی سنانا چاہتے ہیں آپ؟ اور آپ کو کیسے علم ہوا کہ ہم یہاں ہیں۔''

فارس اس کے بالکل سامنے بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' بھوری لیدر جیکٹ اور سیاہ جینز پہنے' وہ ٹھنڈی مگر نرم نگاہوں سے اس لڑکے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے سوال پہ گردن موڑی۔ نگاہ وہیل چیئر پہ مفلوج پڑے خاور تک جا ٹھہری۔

''تمہیں حنین نے ای میل کی ہو گی یقیناً۔ اور یہ کہا ہو گا کہ تمہارا باپ ایک قاتل ہے۔''

''مجھے یقین نہیں ہے۔'' وہ کمزور سے سخت لہجے میں نفی میں سر ہلا کر بولا تھا۔

فارس نے کافی دیر تک جواب نہیں دیا' بس وہ سرد نظروں سے خاور کی دائیں جانب ڈھلکی گردن دیکھتا رہا۔ آکسیجن ماسک سے وہ دھیرے دھیرے سانس لے رہا تھا' چہرے پہ مونچھیں داڑھی سب شیو کیا جا چکا تھا اور اب اگنے والے ننھے ننھے بال زیادہ تر سفید تھے۔ البتہ آنکھیں' وہ بدقت بائیں طرف کو گھوم گھوم کر فارس کو دیکھ رہی تھیں۔ ان میں وہ سارے جذبات اور تاثرات اب بھی تھے جو اس ''حادثے'' سے قبل ان میں ہوتے تھے۔ ان میں زندگی تھی۔ اور انتقام کی خواہش۔

''تم سوچتے ہو گے خاور کا اتنا عرصہ ان کے ساتھ کام کرنے کے باوجود تم کیوں نہ جان سکے کہ تمہارے بیٹوں کو بھی انہوں نے ہی مروا دیا تھا۔'' لڑکا چونک کر اسے دیکھنے لگا مگر فارس اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔

''انہوں نے تمہارا اعتراف جرم بھی ریکارڈ کیا' تمہیں اپنا بھی لیا' تم سے کام بھی کروائے' مگر تمہیں اصلیت نہیں معلوم ہونے دی۔ وہ کیا ہے کہ ہر [illegible] (mercenary) ہے۔ جس سے انہوں نے ہر کام کروایا ہو گا [illegible] سارے ثبوت اور شواہد

کا رخ بریگیڈیئر بخش کی طرف موڑ دیا ہوگا۔ یقیناً وہ تم سے زیادہ ذہین ہوگا۔ نہ ہو تب بھی جب انسان کی ذات انوالو ہو جائے کسی حادثے میں تو غم اور غصہ اس کی سمجھداری کو دھندلا کر دیتا ہے۔ ہر شخص کا ایک بلائنڈ سپاٹ ہوتا ہے۔ بڑے بڑے ذہین مار کھا جاتے ہیں۔ کیا زمر' کیا ہاشم اور کیا میں۔ اگر ہم سارے ذہین لوگ گھر کے بھیدیوں کے ڈھاتے لنکاؤں کا شکار نہ ہوں تو ہم تو خدا بن بیٹھیں۔ اور فرعون نے بھی تو خدائی کا دعویٰ کیا تھا مگر اپنے گھر میں پلتے بچے کے بارے میں درست اندازہ نہ لگا سکا۔ ایسے ہی تو نہیں وہ خود کو خدا سمجھتا تھا۔ ٹیلنٹڈ' ذہین' سحر انگیز' بہت کچھ ہوگا وہ مگر مار کہاں کھائی؟" خاور مزاحمتی انداز میں' غصے سے غاں غوں کی آوازیں نکال رہا تھا مگر ماسک کے باعث وہ گھٹ جاتی تھیں۔ لڑکا اس کی کرسی کے عین پیچھے جا کھڑا ہوا اور فکر مندی سے اس کا کمبل درست کرنے لگا۔

"میں تمہیں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ مجھے تمہاری حالت دیکھ کر افسوس نہیں ہوا۔ میں اپنے ساتھ وہ تمام ثبوت بھی لایا ہوں جن کو دیکھ کر تمہاری اپنی اولاد' تمہاری بیوی اور تمہاری ماں تمہاری اصلیت جان لیں گے اور میں جانتا ہوں وہ تم سے تب بھی محبت کریں گے لیکن وہ تمہاری عزت نہیں کریں گے۔ تم بھی تو جانو خاور' کہ بغیر عزت کے محبت کیسی ہوتی ہے۔ بغیر عزت کے وفا کیسی ہوتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم مرو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم زندہ رہو۔ ایک طویل اور تکلیف دہ زندگی گزارو۔ تمہیں ہر پل یاد دلایا جائے کہ یہ لوگ کون تھے۔" اس نے فولڈر کھولا اور اندر سے بڑے بڑے فوٹو نکال کر سامنے میز پہ ڈالے۔ خاور کی آنکھوں کی جوت بجھ چکی تھی اور ان میں نمی سی تیر رہی تھی۔ "یہ زرتاشہ ہے' یہ وارث ہے اور یہ سعدی۔ میں چاہتا ہوں کہ آج تمہارا بیٹا بھی ان کی کہانی مجھ سے سنے۔ کیا تم سنو گے؟" اس نے نگاہیں اٹھا کر اس لڑکے کو دیکھا۔ وہ بالکل محو ہو کر' مگر بدستور متذبذب سا اسے دیکھ رہا تھا' اس سوال پہ معمول کی طرح سر ہلا دیا۔

جس وقت وہ واپس گھر پہنچا' زمر اپنے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل کے آگے یونہی کھڑی تھی۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو وہ نہیں مڑی۔ جانتی تھی وہ آچکا ہے بلکہ کافی دیر کا آچکا ہے' اور اس تازہ نقب زنی کی واردات کا کھوج لگا تا پھر رہا ہے۔ باہر گارڈز کو ڈانٹنے' غصہ کرنے کی آوازیں سب نے سنی تھیں۔ اور جب کوئی سرا ہاتھ نہ آیا تو اب وہ اندر آیا تھا۔ وہ ریک میں رکھی کتابوں پہ خوامخواہ انگلی پھیرتی رہی۔ گھنگریالی لٹ گال کو چھوتی گردن پہ گر رہی تھی اور آنکھیں سوگوار لگتی تھیں۔ ناک کسی بھی زیور سے خالی تھی۔

"تم نے کچھ دیکھا؟ کسی سرخ مفلر والے اوور والے آدمی کو؟" چابی اور والٹ میز پہ ڈالتے ہوئے اس نے ٹھہر کر زمر کو دیکھا۔

"نہیں۔ تم کہاں تھے سارا دن؟" وہ اس کی طرف گھومی۔ نظریں ملیں۔

"میں.... یونہی.... آگے پیچھے۔" وہ چہرہ جھکا کر رسٹ واچ اتارنے لگا۔

"کیا ہم نے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ اب ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپائیں گے؟" فارس کا گھڑی اتارتا ہاتھ رکا۔ چونک کر نظریں اٹھائیں۔ غور سے اسے دیکھا۔ ناک کو خالی دیکھ کر چونکا مگر پوچھا نہیں۔

"میں خاور کو ملنے گیا تھا۔ اس کے بیٹے کو اس کے بارے میں سب کچھ بتانے۔"

"اُدھر سے بات ہوئی تمہاری؟"

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں :-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ایڈ فری لنکس
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔
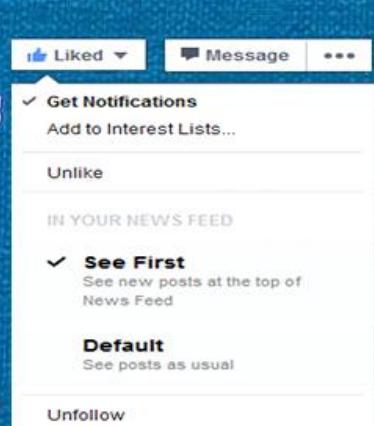
اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بُک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

''سرسری سی ہوئی تھی ٹیکسٹ پہ۔ مل نہیں سکا۔ اس سے بھی حساب کتاب کرنا ہے ابھی۔''

''تم جانتے تھے اس کی اصلیت؟'' وہ سوال در سوال کر رہی تھی۔

''نہیں زمر بی بی! مجھے دلوں کا حال نہیں معلوم ہوتا۔ حنین نے ہی بتایا تھا۔ خیر... تم نے کیا کیا؟'' اب وہ پھر سے اس کو بغور دیکھ رہا تھا۔

زمر پھیکا سا مسکرائی۔ جب وہ کچھ نہ بولی تو وہ شرٹ کی آستینیں موڑتا پلٹ گیا۔

''میں نے تمہیں گروی رکھ دیا۔''

فارس واپس گھوما۔ ''مجھے کیا رکھ دیا؟''

''میں ہارون عبید سے ملنے گئی تھی۔'' فارس کے تاثرات تیزی سے بدلے۔ ماتھے پہ بل در آئے۔ کچھ کہنے کو لب کھولے....

''نہیں' پہلے میری بات سنو۔'' وہ آگے بڑھی اور اس نے نرمی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے۔ ''میں سعدی کو اس حال میں نہیں چھوڑ سکتی تھی' تمہیں بھی نہیں کھو سکتی تھی میں کڈنی پیشنٹ ہوں میں کبھی اپنی فیملی نہیں بنا سکوں گی' میرے ساتھ بھی ظلم ہوا ہے اور مجھے اپنے لئے بھی انصاف چاہیے۔ ہارون عبید نے مجھے کہا تھا کہ میں فارس یا سعدی میں سے ایک کو چنوں۔ مگر میں نے خود کو چنا۔ میری جتنی بھی زندگی رہ گئی ہے اس میں ایک واحد امید کی کرن 'انصاف' ہے۔ مجھے یہ ٹرائل چاہیے۔ اور تم مجھے یہ نہیں دے سکتے تھے۔ تم اٹھتے بیٹھتے کہہ رہے تھے کہ ٹرائل کبھی نہیں ہوگا۔ اس مسئلے کا حل تمہارے پاس بھی نہیں تھا۔ ہارون صاحب کے پاس تھا۔''

''ٹرائل واقعی نہیں ہوگا زمر!'' وہ برہمی سے بولا تھا۔ ہاتھ اس کے ہاتھوں میں تھے۔

''ہارون اسے منا سکتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کس طرح مگر وہ اس کو ٹرائل تک لے جا سکتے ہیں۔ اگلی جنگ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم لڑ لیں گے' جان لگا دیں گے مگر وہ میدان میں تو آئے نا۔''

''اور بدلے میں کیا مانگا ہارون صاحب نے؟'' وہ اسی درشتی سے بولا تھا۔ اسے بہت برا لگ رہا تھا۔ زمر کی بے چین نگاہیں اس کے چہرے پہ بھٹک رہی تھیں۔

''تمہیں مانگا تھا۔''

''اور میں تو جیسے کوئی کھلونا ہوں۔ ہے نا!''

''میں نے وعدہ کیا ہے کہ تمہیں چھوڑ دوں گی اگر وہ ہاشم کو ٹرائل تک لے آئے۔ وہ صرف تمہیں اپنی بیٹی کے لئے چاہتے ہیں۔ وہ اس کے لئے کچھ بھی کر لیں گے۔''

''تم مجھے چھوڑ دو گی؟'' اس کی آواز آخر میں... بس آخر میں کانپی تھی' خوف سے' غصے سے۔

''جو میرا ہے فارس' وہ میرا رہے گا۔ موت کے علاوہ کچھ بھی ہمیں الگ نہیں کر سکتا۔ اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ تم میری بات کو... اس گیم کو غلط نہیں لو گے تو میں کبھی یہ ڈیل نہ کرتی۔ کیا بگاڑ لیں گے وہ میرا اگر میں انکار کر دیتی ہوں؟''

''اچھا۔'' وہ اس کے ہاتھ تھامے اسی سنجیدگی سے میز کے کنارے بیٹھا۔ ''تو بعد میں تم اپنی بات سے کیسے مکرو گی؟''

''یہ سوچنا اور اس معاملے کو سنبھالنا تمہارا کام ہے۔ تم میری حفاظت کرو گے' تم میرا دفاع کرو گے' اور جس دلدل میں میں نے خود کو ڈال دیا ہے' تم مجھے اس سے نکالو گے۔ ایک تمہاری وجہ سے ہی مجھے بے فکری تھی۔'' اس نے گردن کڑا کر بہت اعتماد سے کہا تھا۔ فارس کی پیشانی کے بل غائب ہونے لگے۔ ایسے کہ وہ کبھی تھے ہی نہیں۔ پھر اس نے گہری سانس لی۔

''تم یہ سب کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھ بھی سکتی تھیں!''

''میں نے کہا نا میں نے خود کو چنا ہے۔'' وہ اب متلاشی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ ''تم خفا ہو؟''

''نہیں' مگر مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی تک تمہیں یہ یقین نہیں دلا سکا کہ میں تمہیں کسی کام سے نہیں روکوں گا۔ آئی ایم سوری۔ اگر میں نے تمہیں یہ محسوس کروایا ہے کہ تم مجھے اعتماد میں لو گی تو میں تمہیں تمہاری مرضی کے کام سے منع کر دوں گا۔''

''اب اگر غصہ کرو گے تو کیسے آئے گا مجھے یہ اعتماد؟'' وہ تیزی سے بولی تھی۔ دل البتہ دھڑک رہا تھا۔ وہ خفا تو لگ رہا تھا۔

''غصہ کیوں کروں گا۔ مجھے تو خوش ہونا چاہیے کہ دو خوبصورت عورتیں میرے لئے لڑ رہی ہیں۔'' اور وہ غصے میں ہی لگ رہا تھا۔ زمر کے ابرو خفگی سے کھنچے ہوئے۔ ہاتھوں سے ہاتھ نکال لئے۔

''ایک خوبصورت عورت!'' تنبیہہ کی۔

''ہاں' ایک خوبصورت عورت' ایک چڑیل سے میرے اوپر لڑ رہی ہے۔ حد ہے۔'' سر جھٹک کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کو برا لگا تھا اور وہ کوشش کر رہا تھا کہ کچھ سخت نہ کہہ دے۔ زمر کہنا کچھ اور چاہتی تھی مگر منہ سے کچھ اور نکلا۔

''انہوں نے ضمانت کے طور پہ میری لونگ رکھ لی۔ جو تم نے دی تھی۔'' وہ جو آگے جا رہا تھا تیورا کر گھوما۔ چہرے پہ بے یقینی ابھری۔ آنکھیں پھیلیں۔

''واٹ؟'' وہ غرایا تھا۔ زمر دو قدم پیچھے ہوئی۔ چہرے پہ زمانوں کی سادگی طاری کر لی۔

''اس روز پولیس اسٹیشن میں وہ میرے پرس میں تھی' میں بار بار اس کی ڈبی کو نکال کر کھول کر بند کرتی تھی۔ کورٹ میں ضمانت کی سماعت کے دوران بھی وہ میرے پرس میں تھی اور میرا ہاتھ پرس کے اندر باہر ہی رہا تھا۔ میں اتنے دن سے اسے پہننا چاہ رہی تھی۔ ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔ پھر جب میں ان کے آفس گئی تو انہوں نے مجھے کہا کہ وہ جانتے ہیں اس لونگ کا قصہ۔''

''اس کو کیسے پتا؟'' وہ پھر غرایا تھا۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''جب میں نے تم سے لونگ کے پیچھے جھگڑا کیا تھا تو صداقت وہیں تھا۔ ملازموں کی عادت ہوتی ہے۔ ادھر کی ادھر کرتے ہیں۔ اس نے کاردارز کے کسی ملازم کو کہا ہوگا اور اس نے آگے۔ ہارون عبید ہمارے خاندان پہ عرصے سے نظر رکھے ہوئے ہیں۔ ان کو پتہ ہوگا ظاہر ہے۔ جب میں وہاں گئی تو انہوں نے مجھ سے وہ مانگ لی۔'' وہ یاسیت سے بتا رہی تھی۔

''اسے کیسے پتہ چلا کہ وہ تمہارے بیگ میں ہے۔''

''سیکورٹی چیک پوائنٹ پہ میرا پرس اسکین ہوا تھا نا' ایک جگہ پرس کی تلاشی بھی لی گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ امیج دیکھ کر ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ وہی لونگ ہے۔ شاید وہ صرف میرے اوپر اپنی دھاک بٹھانا چاہ رہے تھے۔''

''اور تم نے وہ ان کو دے دی؟''

''پھر اور کیا کرتی؟ مجھے ان کو یقین دلانا تھا کہ میں سچ بول رہی ہوں۔''

''زمر... زمر...'' وہ ہاتھ اٹھا کر بہت کچھ کہنا چاہتا تھا' پھر ہاتھ گرا دیے۔ پہلے سر جھٹکا۔ پھر دائیں سے بائیں چکر کاٹنے لگا۔

''اب تم یوں کرو' مجھ سے خفا ہو جاؤ۔ تاکہ ہم آپس میں ہی لڑتے رہیں' اور باہر کے لوگوں سے لڑنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ ہم یوں ہی خود ہی لڑتے لڑتے ختم ہو جائیں۔''

''تمہارے نزدیک اس تحفے کی کوئی اہمیت نہیں تھی؟'' وہ گھوم کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور برہمی سے اسے دیکھا۔

''وہ ایک پتھر تھا فارس' ایک پتھر کھو کر میں ایک انسان کو نہیں کھو سکتی' مجھے یقین تھا۔'' وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔ وہ لاجواب ہوا تھا۔ پھر چند لمحے تک گہرے سانس لے کر خود کو بدقت نارمل کرنے لگا۔

''ٹھیک ہے۔ وہ ایک پتھر تھا۔ لیکن اگر تمہیں کوئی کام تھا تو تم میرے پاس کیوں نہیں آئیں؟''

''تم یہ نہیں کر سکتے تھے۔'' وہ اسی میز کے کونے پہ بیٹھ گئی جہاں چند لمحے قبل وہ بیٹھا تھا۔

''تمہیں کیسے پتہ کہ میں یہ کر سکتا تھا یا نہیں؟ اور ہارون صاحب کیسے کریں گے یہ' معلوم ہے تمہیں؟''

''وہ ہاشم کے دوست ہیں' کسی بھی طرح اسے راضی کر لیں گے اور.....''

''وہ اپنی بیٹی کو اس کے پاس بھیجیں گے تاکہ وہ اس سے جھوٹے وعدے کرے اور ہاشم کو راضی کرے۔''

زمر چونک کر کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں ڈھیروں استعجاب در آیا۔

''بے کار باتیں مت کرو فارس۔ کوئی اپنی بیٹی کو یوں استعمال نہیں کر سکتا۔''

''زمر ہر امیر آدمی جواہرات کی طرح نہیں ہوتا جو لا دو پہ جان چھڑکے۔ وہ ایسا آدمی نہیں ہے۔ اسے نہ اپنی بیٹی سے کوئی خاص لگاؤ ہے' نہ وہ اس کا خیال رکھتا ہے۔ محبت ضرور ہو گی کیونکہ وہ فطری چیز ہے لیکن وہ یہ سب آبدار کی خوشی کے لئے نہیں کر رہا۔''

''وہ یہ سب آبدار کے لئے ہی کر رہے ہیں۔'' وہ بے یقین تھی۔

''غلط...'' فارس نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ''وہ صرف کاردارز کی بربادی چاہتا ہے۔ دونوں کاروبار میں شراکت دار ہیں' ایک ڈوبے گا تو اس کی ساری دولت' شیئرز' تعلقات' سب دوسرا حاصل کر لے گا۔ وہ دل سے چاہتا ہے کہ ہاشم مقدمے میں الجھے... اس کے لئے وہ تمہیں اور آبدار دونوں کو استعمال کر رہا ہے۔ آبدار ہاشم کو راضی کرے گی' اور تم اپنی کشتیاں جلا کر اس مقدمے کے لئے اپنی جان لگا دو گی۔ سب سے

زیادہ فائدہ اسی کو ہوگا۔" وہ کتنی ہی دیر شل بیٹھی رہی، پھر چونکی۔

"اور آبدار کا کیا ہوگا؟" زندگی میں پہلی دفعہ یہ نام لیتے ہوئے اس کی آواز میں پریشانی جھلکی تھی۔

"ہارون صاحب کو اس کی اتنی پرواہ ہوتی تو اس کو اس جنگ میں کیوں دھکیلتے؟ کس کو کال کر رہی ہو؟" وہ جو تلخی سے کہہ رہا تھا رک کر بولا۔ زمر نے لغیر فون پہ نمبر ملا کر اسے کان سے لگا چکی تھی۔ فارس کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ لب بھینچا سے دیکھے گیا۔

"چوبیس گھنٹے کے اندر اندر آپ کی کال موصول ہوئی ہے' کیا ارادہ بدل گیا ہے آپ کا زمر صاحبہ؟" ہارون عبید کا نرم اور نپا تلا لہجہ کانوں سے ٹکرایا تھا۔

"مجھے اپنا ہیرا واپس چاہیے۔ میں اس ڈیل کو ختم کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیوں؟"

"مجھے ڈر ہے فارس کو نہ پتہ چل جائے۔ میں بہت خوفزدہ ہوں۔ پلیز مجھے بلیک میل مت کریں اور اسے واپس کر دیں۔" وہ منت کر رہی تھی۔ فارس نے گھور کر اسے دیکھا۔

"اب بہت دیر ہو چکی ہے مسز زمر۔"

"دیر کیسے ہوئی ہے؟ اب تک ہاشم سے بات تو نہیں ہوئی ہو گی آپ کی۔"

"میری بیٹی آپ کی وجہ سے اس سے بات کرنے گئی تھی' اور اب جبکہ اس نے اتنا بڑا خطرہ مول لے ہی لیا ہے تو آپ پیچھے نہیں ہٹ سکتیں۔"

"آپ اپنی ہی بیٹی کو کیسے.... کیسے استعمال کر سکتے ہیں؟" وہ غصے بھری بے بسی سے بولی تھی۔ فارس اب سامنے صوفے کے کنارے جا بیٹھا تھا۔ ہارون اور بھی کچھ کہہ رہے تھے مگر زمر نے "آپ بیمار ہیں' سنا آپ نے؟ آپ.... بیمار ہیں!" کہہ کر موبائل پرے ڈال دیا۔ وہ ایک دم ڈسٹرب نظر آنے لگی تھی۔

"اچھا پریشان مت ہو۔ آبدار کے ساتھ جو کیا ہے اس کے باپ نے کیا ہے۔" وہ اب کے ذرا نرمی سے بولا۔ زمر نے چہرہ اٹھا کر مغموم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"تمہیں مجھ پہ بہت غصہ آ رہا ہوگا' ہے نا؟"

"ساری عمر آتا رہا ہے' کوئی نئی بات تھوڑی ہے۔ لیکن خیر.... تم مجھے بتاؤ۔ تم کیا چاہتی ہو؟"

"تم سے نہیں ہوگا تو کیوں...."

"زمر.... تم بتاؤ.... تم کیا چاہتی ہو!" اس نے زور دے کر کہا۔ زمر چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"میں چاہتی ہوں کہ ہاشم عدالت میں پیش ہو۔ وہ پوری ایمانداری سے یہ ٹرائل لڑے۔ میں چاہتی ہوں کہ ہر گواہ عدالت میں پیش ہو

اور سچ بولے۔ سعدی نے مجھے بتایا ہے کہ اس کے ساتھ اس رات ڈاکٹر سارہ تھیں، مگر ڈاکٹر سارہ کتنے دن سے میرا فون نہیں اٹھا رہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ گواہی دے دیں۔" جذبات میں تیز تیز بولتے اس کو سانس چڑھ گیا تھا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ تبھی دروازہ بجا۔ فارس اسی خاموشی سے اٹھا اور دروازہ کھولا۔ سامنے سعدی کھڑا تھا، ہاتھ میں چند کاغذ تھے۔ اس نے فارس کے کندھے کے پیچھے سے اندر جھانکا۔ "زمر... یہ وہ ڈاکومنٹس ہیں جو میں نے آپ کو دکھانے تھے،" الجھا ہوا سا آگے بڑھنے لگا پھر رک کر پوچھا۔ "اندر آجاؤں۔"

"ہاں، تم اندر آجاؤ، میری خیر ہے۔" آخری الفاظ زیر لب بڑبڑا کر وہ خفا سا باہر نکل گیا۔ کچن کے دروازے پہ حنین اسی طرح کھڑی ناخن کتر رہی تھی۔ وہ ساتھ سے گزرنے لگا تو وہ بولی تھی۔

"سعدی بھائی اور زمر کی ٹیم کتنی بورنگ لگتی ہے نا!" وہ ان سنی کر کے آگے بڑھ گیا.....

(آج)

فارس غازی کو گہرے خیال سے... گہری نیند بھرے سفر سے کورٹ رپورٹر کی بورڈ پہ چلتی انگلیوں کی ٹھک ٹھک نے جگایا تھا۔ وہ گہری سانس لے کر زمر کی طرف دیکھنے لگا جس کی آواز کمرہ عدالت کی گھنی خاموشی کو چیر رہی تھی۔

"نوشیرواں کاردار نے قید کے ان آٹھ ماہ میں اپنے بھائی کے ساتھ مل کر یور آنر نہ صرف سعدی یوسف کو محبوس رکھا بلکہ اس کو مختلف نوعیت کے ذہنی اور جسمانی ٹارچرز کا بھی نشانہ بنایا۔ اس سے اس کے پراجیکٹ کے اہم راز دباؤ اور تشدد کے ذریعے اگلوانے کی بھی کوشش کی اس کو اس کے خاندان کو نقصان پہنچانے کا ڈراوا بھی دیا۔ 22 جنوری کی رات جب سعدی یوسف اپنی ذہانت اور بہادری کے بل پہ اس قید سے نکلا تو نوشیرواں کاردار اور ہاشم کاردار نے اس کی تصویر کے پوسٹرز بنوائے اور سارے کولمبو میں پھیلا دیے۔ ایک خونی manhunt کا آغاز کیا گیا جس کا اختتام تب ہوا جب سعدی یوسف نے ملک واپس پہنچ کر اپنی ویڈیو ریلیز کی۔"

ہاشم سر جھکائے پیڈ پہ لکھ رہا تھا۔ "غیر قانونی سفر اور خاور کی تفصیلات گول۔"

"ان طویل اوپننگ آرگومنٹ کے بعد میری عدالت سے استدعا ہے کہ نوشیرواں کاردار کو قتل، اقدام قتل، اغوا، حبس بے جا میں رکھنا، تشدد اور غیر قانونی انسانی اسمگلنگ کے جرم میں قرار واقعی سزا دی جائے۔ پراسیکیوشن نوشیرواں کاردار کی پھانسی کا مطالبہ کرتی ہے۔"

ہاشم کے ساتھ بیٹھے نوشیرواں نے زخمی آنکھیں اٹھا کر زمر کو دیکھا، اور پھر تڑپ کر اپنے بھائی کو دیکھا جو محویت سے نوٹ پیڈ پہ لکھتا جا رہا تھا۔

"دہشت گردی کی دفعات غائب۔ ہاشم کاردار کی نامزدگی غائب۔ کمزور استغاثہ۔" تبصرہ لکھ کر اس نے پیڈ رکھ دیا اور پھر اسی توجہ سے زمر کو دیکھنے لگا۔ وہ اب اپنے دلائل کا اختتام کر رہی تھی۔ کمرہ عدالت کی کھڑکیوں سے چھن کر آتی دھوپ میں موسم گرما کے اوائل کی سی تمازت محسوس ہوتی تھی۔ اگر تم کھڑکیوں کو دیکھتے جاؤ تو ان پہ پڑی گرد کی تہہ سرکتے لمحوں اور بیت جانے والی شاموں کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ پھر کسی روز بارش کی بوندوں نے اسے دھو ڈالا اور پھر نئے سرے سے گرد پڑنے لگی۔ واپس کمرہ عدالت کی جانب رخ پھیرو

تو پراسیکیوشن کی میز کے پیچھے زمر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی تھی۔ آج اس کے بال اونچی پونی میں بندھے تھے اور گھنگریالی لٹیں نکل نکل کر کوٹ کی پشت پہ جھول رہی تھیں۔ وہ قلم لبوں میں دبائے نظریں سامنے کھڑے ہاشم پہ جمائے ہوئے تھی۔ ساتھ بیٹھا سعدی آدھے آستین والی سیاہ شرٹ میں ملبوس تھا۔ وہ پہلے سے بہتر نظر آرہا تھا۔ گردن اٹھی ہوئی تھی اور بھوری آنکھوں میں امید سی تھی۔ پیچھے.... ساری کرسیوں سے پیچھے.... آخری قطار میں فارس ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور مسلسل منہ میں کچھ چبا رہا تھا۔

دفاع کی میز پہ نوشیرواں ڈیزائنر سوٹ ٹائی میں ملبوس چڑ چڑے تاثرات کے ساتھ براجمان تھا۔ پچھلی نشست پہ جواہرات اور احمر ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ جواہرات مسلسل اپنے لاکٹ کو انگلی پہ لپیٹتے ہوئے پر سوچ نظریں چبوترے کے سامنے کھڑے ہاشم پہ نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔ ہاشم کی اس جانب پشت تھی مگر آواز صاف سنائی دیتی تھی۔

"یور آنر! مسز زمر کے ابتدائی دلائل اچھے لگے مجھے۔ جذباتی اور شاعرانہ۔ ان سے ہمیں یہ تاثر ملا کہ ایک معصوم شہزادہ.... بلکہ شہزادی ظالم دیو کی قید میں پھنس گئی تھی اور اب چونکہ شاہزادی واپس آگئی ہے تو لازم ہے کہ ظالم دیو کو چوک میں لٹکا کر پھانسی دی جائے۔ اور اس ظالم دیو کا جرم کیا ہے یور آنر؟ صرف یہی کہ وہ امیر ہے۔"

جواہرات یاقوت اور ہیرے جڑے لاکٹ کو مسلسل انگلی پہ لپیٹ کھول رہی تھی۔ شیرنی کی آنکھوں میں گہرے سائے لہرا رہے تھے۔ بادلوں جیسے سائے جن میں یادوں کے بہت سے قطرے لدے تھے۔ یکایک وہ قطرے اندر ہی اندر ٹپکنے لگے اور اس جھلملاتے پانی کے پردے پہ عکس سے ابھرنے لگے.....

(دو ماہ پہلے)

قصر کاردار کے لاؤنج میں اونچی کھڑکیوں کے اوپر اٹھے رومن بلائنڈز کے باعث تیز روشنی اندر آرہی تھی۔ جواہرات پرل وائٹ قمیص میں ملبوس، بالوں کا نفیس جوڑا بنائے، کان میں ائیر رنگ پہنتی ہوئی کمرے سے باہر نکل رہی تھی، ایسے کہ کہنی پہ پرس لٹکا تھا اور کان کو پکڑے ہاتھ میں فون تھا، جب وہ ٹھٹک کر رکی۔

لاؤنج میں..... سامنے.... مچھلیوں کے ایکوریم کے سامنے آبدار کھڑی تھی۔ جھک کر وہ ہولے ہولے شیشے کی دیوار پہ دستک دیتی۔ مچھلیاں سرعت سے دائیں بائیں تیر رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ جواہرات اس کو مخاطب کرتی، سیڑھیوں پہ آہٹ ہوئی۔ آبدار سیدھی ہوئی اور اوپر دیکھا۔ سر پہ سرخ ریشمی رومال باندھے، اس کی سبز آنکھوں میں گہرا کاجل ڈلا تھا۔ یقیناً اوپر سے ہاشم اترتا ہوا آرہا تھا۔ جواہرات نے کھڑکی کے شیشے میں اس کا عکس دیکھا اور الٹے قدموں مڑ گئی۔ اپنے کمرے کا دروازہ چوکھٹ تک لے گئی مگر بند نہیں کیا۔ ذرا سی درز سے وہ سب کچھ دیکھ اور سن سکتی تھی۔

آبدار نے مسکرا کر اسے اترتے دیکھا یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"تم نے مجھے بلایا تھا۔ کہو خیریت تھی؟" وہ جبراً مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔

''ہاں' میں تمہاری باتوں پہ سوچتا رہا تھا۔ بیٹھو۔'' وہ اشارہ کرتا' کوٹ کا بٹن کھولتا بڑے صوفے کے کنارے پہ جا بیٹھا۔ آبدار پرلے کنارے پہ ٹک گئی۔

''پھر... کیا سوچا تم نے؟'' گود میں مٹھیاں رکھ کر باہم ملائے وہ ان کی کپکپاہٹ چھپانا چاہ رہی تھی۔ دل دھڑک رہا تھا۔ بے چین نظریں ہاشم کے چہرے پہ جمی تھیں جو سوچ میں ڈوبا تھا۔ پھر اس نے آنکھیں اٹھائیں۔ آبی سے نظریں ملیں۔

''تمہاری ساری باتیں درست تھیں۔ جب تک اس کیس کا معاملہ حل نہیں ہو جاتا' تم اس خاندان میں آ کر کبھی خوش نہیں رہو گی۔''

آبدار کے لب حقیقی مسکراہٹ میں ڈھلنے لگے۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

''یعنی کہ تم نے میری باتوں کو سنجیدہ لیا؟''

''ہاں' اور تم اپنی جگہ درست ہو۔ ہم شادی نہیں کر سکتے' جب تک کہ میں اس سارے میں سے نہ نکل آؤں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

آبدار نے طمانیت بھری گہری سانس لی۔ آنکھوں میں فاتحانہ چمک در آئی۔

''تو تم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم اس کیس کو لڑو گے اور خود کو اور اپنے خاندان کو بے گناہ ثابت کرو گے!'' اس کے دل میں ڈھیروں اطمینان در آیا تھا۔

''نہیں ریڈ۔'' وہ قطعیت سے بولا تھا۔ ''نہ کوئی ٹرائل ہو گا' نہ میں اپنا دفاع کروں گا۔ مجھے اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے ہم شادی کے معاملے کو کچھ وقت کے لئے ملتوی کر دیتے ہیں۔ تب تک تم مزید سوچ لو۔ اور اگر تم میرے خاندان اور اس کے تمام مسائل کے ساتھ سمجھوتہ کر لو تو ہم شادی کر لیں گے۔'' اس کا لہجہ اطمینان سے پُر تھا۔

آبدار کی مسکراہٹ اڑنچھو ہوئی۔ دل گویا اچھل کر حلق میں آ گیا۔ چند لمحے وہ شل سی بیٹھی رہی' پھر ایک دم اٹھی۔ پرس دبوچ کر اٹھایا۔

''اگر تمہارے اندر اتنی ہمت ہی نہیں ہے کہ پبلک رائے کو بدل لو تو ٹھیک ہے۔ میری طرف سے اس شادی سے انکار ہے۔ نہ اب۔ نہ کبھی پھر... ہمارے راستے جدا ہیں۔'' درشتی سے کہتی وہ باہر کی طرف بڑھی۔ ہاشم اسی اطمینان سے آنکھیں اٹھا کر اسے بغور دیکھتا رہا۔

''شاید یہ صرف ایک بہانہ تھا۔ شاید تمہیں شادی سے انکار کی کوئی اور وجہ مل نہیں رہی تھی۔ یا شاید تمہارے بابا نے تمہیں ایسا کرنے کو کہا تھا؟ ہماری بربادی پہ سب سے زیادہ خوش وہی ہوں گے..... ہے نا۔'' وہ اب ذخمی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

''جو چاہو سمجھو۔'' وہ تلخی سے کہتی باہر نکل گئی۔

وہ اپنی کار کے قریب پہنچی ہی تھی... اتھل پتھل سانسوں کے ساتھ... غصے اور بے بسی کی حالت میں جب.....

''سو تم نے خود ہی انکار کر دیا۔'' وہ چونک کر مڑی۔ جواہرات سامنے سے چلتی آ رہی تھی کہ اس کی پشت پہ تیز سورج تھا۔ کرنیں اس کے اطراف سے نکل کر آبی کی آنکھوں میں پڑ رہی تھیں یوں کہ جواہرات سفید لباس کے باوجود دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ آبی کی آنکھیں چندھیا

گئیں۔

''اب کیا مجھے وہ ویڈیو مل سکتی ہے؟''

''جس دن آپ کا بیٹا مکمل طور پہ میری جان چھوڑ دے گا اس دن ہاں۔'' وہ چبا چبا کر بولتی دروازہ کھول کر اندر بیٹھی۔ کرنیں ہنوز اس کے اطراف سے تیروں کی طرح اس جانب لپک رہی تھیں۔ روشنی تیز روشنی... اور جب وہ بجھی.....

(آج)

تو جواہرات کاردار نے خود کو عدالت کے کمرے میں بیٹھے پایا۔ اپنے عالم توہیم سے خود کو نکال کر وہ سر جھٹکتی سامنے کھڑے ہاشم کو دیکھنے لگی۔ کمرے میں خاموشی تھی اور سب توجہ سے اس کو سن رہے تھے۔

''بس ظالم دیو کا جرم صرف اتنا ہے یور آنر کہ وہ امیر ہے۔ مسز زمر نے ان چند دنوں میں تقریباً تین سو دفعہ استعمال کیا ہے۔ درست تعداد کورٹ رپورٹر کو معلوم ہوگی۔'' پھر رپورٹر کو ہدایت کرتے بولا۔ ''یہاں درست تعداد لکھ دیجئے گا۔''

اور رپورٹر نے بنا تاثر لئے ٹائپ کیا۔

''ہاشم کاردار: درست تعداد کورٹ رپورٹر کو معلوم ہوگی۔ یہاں درست تعداد لکھ دیجئے گا۔''

''یور آنر یہ کہانی نئی نہیں ہے۔'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے چبوترے کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ ''یہ کہانی 'یہ مثالیں' یہ غریب کارڈ' یہ عرصے سے کھیلا جا رہا ہے اور میں جانتا ہوں کہ بہت جگہوں پہ بہت سے 'امیر' درندوں نے معصوم شہزادوں کو کچلا بھی ہے مگر اسی کارڈ کو بہت سی غریب لومڑیوں نے اپنے مفاد کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔ اس سارے منظرنامے میں یور آنر میرے موکل کا صرف ایک ہی قصور ہے' اور وہ یہ کہ وہ ایک رئیس خاندان میں پیدا ہوا۔ مسز زمر کی دلفریب شاعری کے برعکس' سعدی یوسف نہ ہی اتنا انسان دوست ہے' نہ ہی اتنا معصوم اور سادہ۔ وہ بلاشبہ ایک محنتی نوجوان ہے' مگر وہ ambitious بھی ہے۔'' چبوترے کے سامنے ٹہلتے ہوئے وہ اب چہرے کا رخ استغاثہ کی کرسیوں پہ بیٹھے سعدی کی طرف کیے کہہ رہا تھا۔ زمر اسی اطمینان سے ایک فائل پہ پوائنٹس لکھ رہی تھی۔ جبکہ سعدی کی پرتپش نظریں ہاشم کے چہرے پہ یوں جمی تھیں گویا اندر تک اتر جائیں گی۔ کسی انی کی طرح۔

پیچھے بیٹا فارس مطمئن لگتا تھا' البتہ اس کے ساتھ موجود حنین بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ اس کی نظروں میں ڈھیروں زخم تھے اور وہ بار بار مٹھیاں بھینچتی تھی۔ پھر وہ فارس کی طرف جھکی۔ ''یہ اسی طرح میرے بھائی کا کردار عدالت میں مسخ کر دے گا' کوئی اس کو روکتا کیوں نہیں ہے؟''

''وہ جو کر رہا ہے قانونی طور پہ یہ اس کا حق ہے۔ عدالت میں بولنے والے تمام لوگوں میں سے صرف ایک شخص سچ بولنے کا حلف نہیں لیتا اور وہ وکیل ہوتا ہے۔''

''اور وکیل کو تو جھوٹ بولنے کا لائسنس ملا ہوتا ہے۔ واہ۔'' وہ سخت کبیدہ خاطر تھی۔

"زمر کے اپنے ابتدائی دلائل میں کتنا سچ تھا' کتنا جھوٹ' ہم دونوں واقف ہیں۔ عدالتوں میں یہی ہوتا ہے۔ ایک سچ کو ثابت کرنے کے لئے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ تم ان بیوقوفوں کو عدالت میں ایک دوسرے سے لڑنے دو۔" اس نے نرمی سے حنہ کا ہاتھ دبایا۔

"سعدی یوسف ایک انتہائی ذہین مگر ایک بہت ambitious لڑکا تھا یور آنر۔ evil genius۔ استغاثہ کی الف لیلوی داستان سے ہٹ کر ہمیں اس کیس کی اصل حقیقت کو دیکھنا ہوگا اور اصل کہانی یہ ہے کہ سعدی یوسف کا گزشتہ آٹھ سال سے یعنی اس واقعے سے سات سال قبل سے میرے موکل کے گھر آنا جانا تھا۔ اس کو اس خاکسار نے اپنے چھوٹے بھائی کی طرح ٹریٹ کرتے ہوئے اس پہ کبھی اپنے گھر کے دروازے بند نہیں کیے۔ اس کو اپنی ہر دعوت میں بلایا۔ اس کا ہمیشہ خیال رکھا۔ ان اچھے تعلقات کی مثال میرے اور سعدی کے فیس بک پہ لگی ہماری سینکڑوں تصاویر ہیں۔ مگر وہ کیا کہتے ہیں کہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہیں لگتا۔" وہ یوں ترچھا ہو کر کھڑا تھا کہ گاہے بگاہے جج صاحب پہ نظر ڈالتا پھر اسی سادگی اور اطمینان سے استغاثہ کی کرسیوں کو دیکھتا۔ "اپنی ambitious اور manipulative طبیعت سے مجبور سعدی یوسف نے نوشیرواں کاردار سے راہ و رسم بڑھانا چاہا' وہ ہم دونوں بھائیوں کی گڈ بکس میں رہنا چاہتا تھا۔ اور تو اور اس کو جب یہ معلوم ہوا کہ نوشیرواں کس یونیورسٹی میں جانا چاہتا ہے تو اس نے بھی وہیں اپلائی کیا۔ برسوں تک وہ ساری دنیا کو یہ بتاتا رہا کہ وہ اسکالرشپ پہ پڑھ رہا ہے' مگر یہ صرف اس کی پاپولر اور ہر دل عزیز ہونے کی ایک اور کوشش تھی کیونکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی فیس اس کے خاندان والے ہی دیتے تھے۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دوسروں کی نظر میں متاثر کن بننے کے لئے مدعی کس حد تک جا سکتا ہے۔"

سعدی نے کرب سے آنکھیں بند کر کے سر جھٹکا۔ بہت برداشت چاہیے تھی اپنے ہر سچ کو اپنے ہی خلاف استعمال ہوتے دیکھنے پر۔ صد شکر کہ قیامت کے روز اس بڑی عدالت میں یا تو فرشتوں' پتھروں' زمین اور انسان کے اپنے اعضاء جیسے گواہ ہوں گے' یا پھر ایک ہی منصفِ اعلیٰ۔ صد شکر کہ اس دن کوئی وکیل نہیں بولے گا۔ صد شکر کہ اس دن زبانیں بند ہوں گی۔

اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ جج صاحب عینک ناک پہ لگائے' بہت توجہ سے ہاشم کو سن رہے تھے۔ سیشن جج جناب عابد آغا صاحب ایک بے داغ اور شفاف ریکارڈ کے حامل تھے۔ رعب ایسا تھا کہ بالواسطہ رشوت دینے کی جرات کوئی نہ کرتا تھا۔ سابق گورنر کے صاحبزادے تھے' اور بھائی بیوروکریسی کے اہم افسران میں سے تھے۔ بلاواسطہ رشوتیں' مدد کی درخواستیں' اور دھمکیاں سب آتا تھا' مگر کہتے تھے کہ وہ بہت ہمت اور عزم سے ہر شے کا مقابلہ کرتے تھے۔ اور اس وقت استغاثہ اور دفاع کے وکیلوں کو اپنے اپنے گواہ اور ثبوت پیش کر کے خود کو سچا ثابت کرنا تھا۔

"سعدی یوسف نے نوشیرواں کاردار سے یونیورسٹی کے دنوں میں دوستی کرنے اور اس سے فوائد اٹھانے کی بھرپور کوشش کی۔ نوشیرواں اس کے لئے ایک سونے کی مرغی تھا۔ ایک بیوقوف امیر زادہ۔ جو منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوا تھا۔" (نوشیرواں کی گردن اٹھی ہوئی تھی اور بے تاثر' ویران نظریں سامنے دیوار پہ جمی تھیں۔ وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔) یور آنر لوگوں کو لگتا ہے کہ امیر آدمی کے مسئلے نہیں ہوتے۔ سو امیر آدمی کا استحصال کرتے جاؤ کیونکہ اس کا جرم ہے کہ وہ امیر ہے' وہ لوگوں کو لوٹ کر ان کا خون پی کر امیر بنا ہے۔ اس کو لوٹنا' مارنا' نقصان

پہنچانا غریب کا حق ہے غریب کا انتقام ہے مگر کیا واقعی امیر ولی عہد کی زندگی میں کوئی مسئلہ نہیں ہوتا؟ کیا واقعی نوشیرواں ایسا تھا؟'' کمرہ عدالت میں دبیز خاموشی تھی۔ اس نے رک کر ادھر ادھر دیکھا۔ گویا سوال کا جواب مانگا ہو۔ پھر تلخی سے مسکرایا۔

''المیہ یہ ہے یور آنر کہ نوشیرواں ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو غریب کا خون چوس کر امیر ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر سعدی یوسف اپنے کمپلیکس سے باہر نکلتا تو شاید وہ سمجھ پاتا کہ نوشیرواں عدم توجہی کا شکار تھا اس کی دولت اس کے باپ اور بھائی نے برسوں کی ان تھک محنت اور ایمانداری سے کمائی تھی۔ ایسے میں وہ اپنے باپ سے وہ وقت اور توجہ نہ پا سکا جو مجھے ملا۔ وہ اندر سے بہت معصوم اور سادہ تھا۔ ہر ایک پہ یقین کر لینے والا۔ ہر ایک سے توجہ اور پیار چاہنے والا۔ اس کو سعدی کی دکھاوے کی دوستی نہیں چاہیے تھی۔ اس کو خلوص چاہیے تھا۔ امیر لڑکوں کے جانی دشمن بہت ہوتے ہیں۔ وہ سیکیورٹی کے بغیر نکل نہیں سکتے۔ وہ ہر جگہ جا نہیں سکتے۔ ان کو کچھ بھی کرنے سے پہلے اپنے عالی مقام خاندان کے نام کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ وہ ایک مڈل کلاس لڑکے کی طرح نہ تھا جو جب دل چاہتا لیڈرز کی گلیوں میں نکل جاتا' کسی بار میں بیٹھ کر' کسی دوست کے ساتھ کچھ بھی کرتا۔ نوشیرواں کو لوگ پہچانتے تھے۔ وہ ایک سیاستدان کا بیٹا تھا۔ وہ ہر وقت مختلف paparazzis کی ہٹ لسٹ پہ ہوتا تھا۔ یہ دولت اس کے لئے ایک قید سے کم نہ تھی مگر سعدی یوسف کو وہ صرف سونے کے انڈے دینے والی مرغی لگتا تھا۔ اس کا شاندار گھر جہاں سعدی اکثر آتا تھا' جہاں کھانے پینے کی مکمل آزادی تھی' ان کی دوستی کو مضبوط کرنے کی وجہ تھا' مگر ایسا زیادہ دیر نہ چل سکا یور آنر۔ سعدی یوسف کی مطلبی اور مادیت پرست باتوں نے دھیرے دھیرے نوشیرواں کو اس سے برگشتہ کرنا شروع کیا۔''

''میرا دل چاہتا ہے اس آدمی کے چہرے پہ تیزاب پھینک دوں۔'' حنہ نے اس کے قریب ہو کر سرگوشی کی تو اس کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

فارس نے اس کے گرد بازو پھیلا کر اس کے کندھے تھپکے۔

''اسے بولنے دو حنہ۔ وہ زیادہ اچھا وکیل ہے' بلکہ وہ ساحر ہے۔ اسے اپنے جادو کے بولوں سے ہمارے ہر سچ کو مات دینے دو۔ جب وہ تھک جائے گا تو ہم اسے دیں گے۔ شہ مات۔ Checkmate!'' ایک عزم کو دہرایا تو حنہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اس کے باوجود نوشیرواں نے اس سے دوستی نہیں چھوڑی۔ اسے اپنے گھر آنے دیا۔ اسے اپنی دولت کو لوٹنے دیا۔ مگر یہ کافی نہیں تھا۔ سعدی یوسف کے لئے یہ کافی نہیں تھا یور آنر۔ وہ صرف مادی چیزوں پہ خوش نہیں ہوتا تھا۔ وہ پاپولر ہونے اور ہر دلعزیز بننے کا طالب بھی تھا۔ ہمیں یہاں پہ سعدی یوسف جیسے لڑکوں کی سائیکی سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔ اسے یونیورسل فیورٹ بننا اچھا لگتا تھا ہر کوئی اس کی باتوں کی تعریف کرے' ہر کوئی دلچسپی سے اسے سنے۔ جب نوشیرواں کے رویے میں اس نے سرد مہری محسوس کی تو اس کی یہ نفسیاتی حس بار بار پھڑکنے لگی۔ خاکسار کے ساتھ غلط بیانی کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا' سو اس نے مسز جواہرات کا ردار کو اپنی میٹھی باتوں کے دام میں لیا۔

(سعدی نے مڑ کر جواہرات کو دیکھا اور لبوں کو بنا آواز نکالے گھمایا (واؤ)۔ جواہرات نے کوشش کی کہ وہ بالکل بھی اس وقت سعدی کو نہ

دیکھے۔) ہر ماں کی طرح وہ بھی بیٹے کے لئے اِن سکیور رہتی تھیں اس نے ماں کو بیٹے کی شکایت لگانی شروع کی 'وہ نشہ کرتا ہے' وہ غلط لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے تا کہ مسز جواہرات نوشیرواں کو مجبور کریں کہ وہ صحیح لڑکے یعنی کہ "ہمارے سعدی" کے ساتھ اٹھا بیٹھا کرے۔

نوشیرواں ایوریج ذہانت کا لڑکا ضرور تھا' مگر گھامڑ نہیں تھا۔ اس نے سعدی کے ان جھوٹوں اور غلط بیانیوں پہ خود کو اس سے دور کرنا شروع کر دیا۔ سعدی کے مسلسل جواہرات کا دماغ کو بھڑکانے پہ دونوں میں تلخ کلامی بھی ہوئی اور یوں اس دوستی کا اختتام ہو گیا۔

ساحرا اپنے مسحور کن انداز میں بول رہا تھا اور سب توجہ سے اسے سن رہے تھے۔ تبھی دروازہ کھلا اور بنا چاپ کے دھیرے سے آبدار اندر داخل ہوئی' پھر اسی طرح خاموشی سے فارس اور حنین کے ساتھ آ بیٹھی۔ یوں کہ حنین دونوں کے درمیان میں تھی۔ چہرہ موڑ کر اس نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ مسکرا کر فارس کو مخاطب کیا۔ "ہیلو غازی!"

فارس نے بس سر کو اثبات میں خم دیا۔ چہرہ تک نہیں موڑا۔ درمیان میں بیٹھی حنین ایک دم خود میں عجیب سا محسوس کرنے لگی۔

دلائل دیتے ہوئے ہاشم نے رخ حاضرین کی طرف پھیرا تو بس لمحے کے ہزارویں حصے کے لئے وہ چونکا۔ آبدار پہ نظریں جا رکی۔ مگر پھر اس نے بات جاری رکھی۔ گو کہ اس کی نگاہ بار بار اس طرف اٹھتی تھی۔ آبی سنجیدہ چہرہ لئے بیٹھی رہی۔ شناسائی' قرابت داری' رسمی مسکراہٹ' اس کی آنکھیں ہر احساس سے عاری تھیں۔ (حنین نے نظریں جھکالیں۔ وہ آبدار کے لئے ہی مگر بار بار ادھر دیکھتا تو تھا' اور اس کا دیکھنا دل کو دکھی کر دیتا تھا۔ محبت رہے یا نہیں' یادیں تو آخری سانس تک رہتی ہیں۔)

اس کے دلی جذبات سے بے خبر آبدار سنجیدہ چہرہ لئے بیٹھی تھی۔ البتہ اس کی خوبصورت پیشانی پہ دو بل پڑے ہوئے تھے۔ ان دو بلوں کی تہہ میں جا کر تو پرت در پرت داستانیں رقم تھیں۔ یکا یک وہ پرتیں عیاں ہوتی گئیں' اور سنہری پیشانی' سنہری روشنی میں بدلتی گئی......

(دو ماہ پہلے)

ہارون عبید کے آفس کاریڈور میں تیز سنہری بتیاں روشن تھیں۔ آبدار ماتھے پہ سلوٹیں لئے تیز تیز چلتی آ رہی تھی۔ آفس کا دروازہ زور سے کھولا۔ ہارون سیٹ پہ براجمان' سامنے بیٹھی دو خواتین سے محوِ گفتگو تھے۔ آبدار سرخ چہرے کے ساتھ اندر آئی' ہاتھ جھلا کر گویا تخلیہ کا اشارہ کیا۔ ہارون نے شدید ناپسندیدگی سے اسے دیکھا' پھر خواتین سے معذرت کرتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یہ آخری دفعہ تھا بابا۔ آئندہ میں آپ کے ہاتھوں کبھی استعمال نہیں ہوں گی۔" وہ دونوں تنہا رہ گئے تو وہ کرسی کھینچ کر بیٹھی تھی' سے بولی تھی۔ ہارون کے ابرو بھنچ گئے۔

"مسئلہ کیا ہے؟ یہ میرے اہم مہمان تھے۔ تم نے....."

"ہاشم نہیں مانا۔ وہ مجھے چھوڑ دے گا۔ کیس نہیں لڑے گا۔"

چند لمحے کے لئے ہارون کچھ بول نہ سکے۔

"سنا آپ نے بابا.... ہاشم کو نہیں منا سکی میں۔ کوئی فرق نہیں ہوگا اب۔"

''مگر....'' وہ لاجواب ہو گئے تھے۔ ''تم نے اس کو سمجھانا تھا کہ تم اس کے پرپوزل پہ غور کرو گی' اور....''

''بابا.... میں کیا ہوں آپ کے لئے؟ ہاں؟ میں کیا صرف آپ کے دشمنوں کو نیچا دکھانے کا ایک ہتھیار ہوں؟ اوزار؟ میری ماں کے ساتھ بھی کیا آپ نے۔ مجھے بھی انہی کی طرح استعمال کر رہے ہیں۔'' اس کی آنکھوں کے کٹورے بھیگ گئے تھے۔

''بیٹے میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔ میں یہ سب تمہارے لئے ہی کر رہا ہوں۔'' انہوں نے پینترا بدل کر نرمی سے کہنا چاہا مگر وہ نفی میں سر ہلاتی رہی۔

''مجھے اب یقین نہیں آتا۔ گیس واٹ بابا' اب اگر ٹرائل ہوا بھی تو میں بھی اس میں جاؤں گی اور آپ سب کے خلاف گواہی دوں گی۔ عدالت مجھے بھی سمن کرے گی۔ میں سچ بولوں گی۔ سب کچھ بتا دوں گی۔ آپ لوگ اسی قابل ہیں۔ یہ سب ٹرائل کے لئے کر رہے تھے نا آپ تو میں....''

''میں تمہارے لئے کر رہا تھا بچے۔ تم چاہتی تھی کہ اس کی بیوی اسے چھوڑ دے۔ اس نے اسے چھوڑ بھی دیا۔ تم نے میرا کام نہیں کیا' مگر میں نے تمہارا کام کر دیا ہے۔'' وہ اس کو ٹھنڈا کرتے ہوئے کہہ رہے تھے' ساتھ میں جھک کر دراز بھی کھول رہے تھے۔ آبی کے آنسو پلکوں پہ ہی ٹھہر گئے۔ آنکھوں میں بے یقینی در آئی۔

''بابا'' اس کا سانس رک گیا۔ ''کیا کیا ہے آپ نے؟ میں نے منع کیا تھا آپ کو' آپ ان لوگوں کو کوئی نقصان نہیں دیں گے۔ وہ اچھے لوگ ہیں۔''

''اس نے اپنی مرضی سے یہ مجھے دی ہے میں نے اسے مجبور نہیں کیا تھا۔'' سادگی سے کہتے ہوئے انہوں نے ایک ڈبی اس کے سامنے رکھی۔ آبدار نے تحیر سے انہیں دیکھا۔ ''میں نے آپ کو اس کے بارے میں اس لیے تو نہیں بتایا تھا کہ آپ....''

''یہ اب تمہاری ہے۔ جیسے بھی اسے استعمال کرو۔''

(آج)
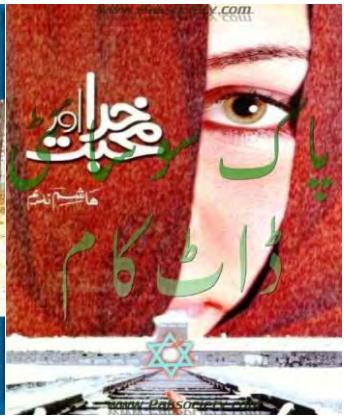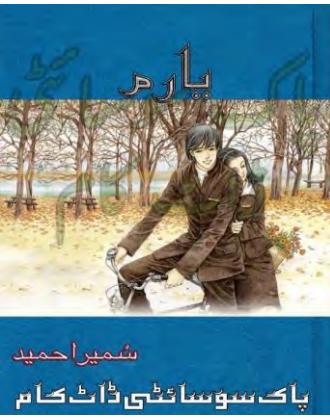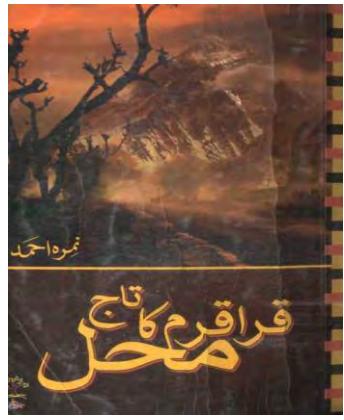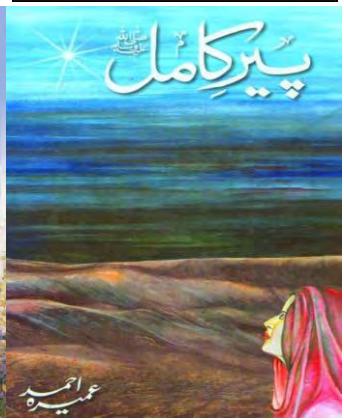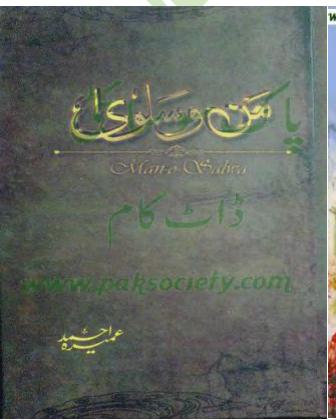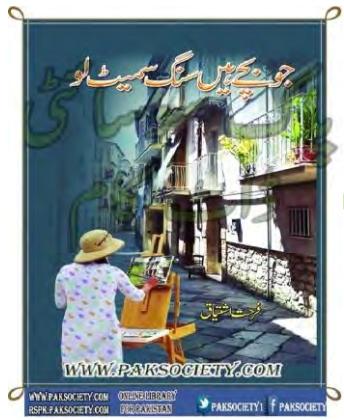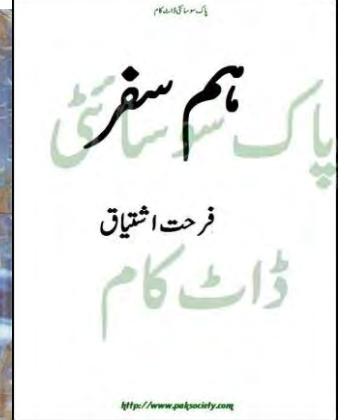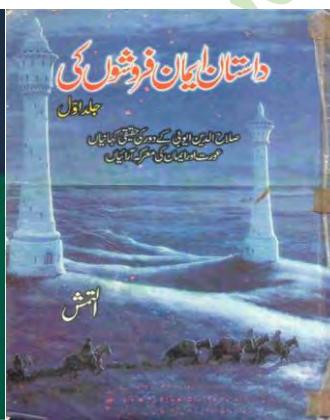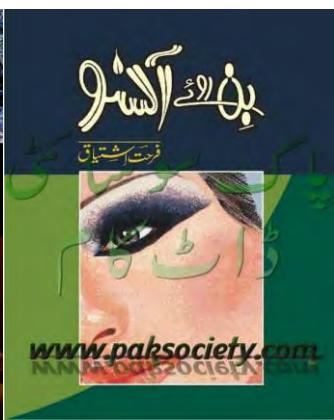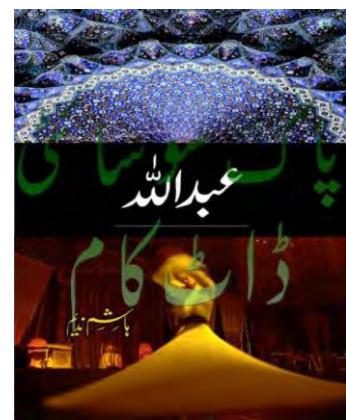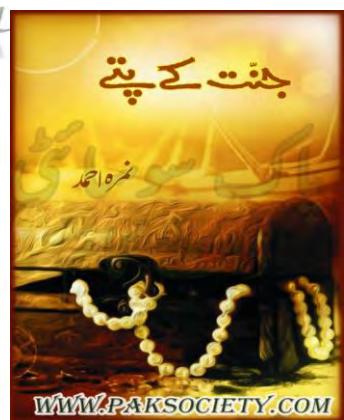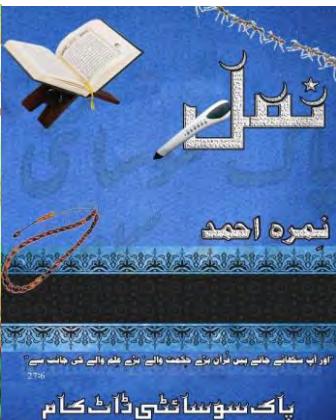
کوئی کاغذ سا اس کے ہاتھ سے ٹکرایا تو وہ گہرے خیال سے چونکی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ کمرہ عدالت میں بیٹھی تھی' اور ساتھ بیٹھی حنین اس کی طرف ایک کاغذ بڑھائے ہوئے تھی۔ آبدار کی نظریں فارس کی طرف اٹھیں۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ حنین اپنی گود میں دیکھ رہی تھی۔ آبی نے کاغذ تھاما۔ اس پہ تحریر تھا۔

''آپ کا دل بیمار ہے' میں جانتی ہوں۔ میں اس سب سے گزر چکی ہوں۔ میرے پاس ایک ایسی کتاب ہے جس میں اس مرض کی دوا ہے۔ اگر آپ نے اپنا علاج نہیں کیا تو بہت نقصان اٹھائیں گی۔''

ساتھ میں قلم بھی تھا۔ آبدار کے چہرے پہ تلخ مسکراہٹ بکھری۔ اس نے سرعت سے قلم تھاما اور لکھا۔ ''نہ میں بیمار ہوں' نہ مجھے کسی علاج کی ضرورت ہے۔ جس کیفیت کا میں شکار ہوں' وہ دنیا کا سب سے خوبصورت جذبہ ہے۔ میں کیوں نکلوں اس سے؟ میں اسی میں خوش

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ہوں۔"

حنین نے جب کاغذ واپس تھاما تو وہ تحریر پڑھ کر اس کا دل دور اندر ڈوب گیا۔

اس نے کیسے سمجھ لیا تھا کہ ہر بیمار علاج کا سن کر شفایاب ہونے دوڑا چلا آئے گا۔ عشق تو وہ مرض ہے، جس کے مریض کو یہ معاشرہ، اس کا میڈیا اس کا لٹریچر میٹھی نیند سلا کر برسوں تھپکتے رہتے ہیں کیونکہ جو چیزیں رواج میں آجائیں ان کا غلط ہونا ذہنوں سے نکل جاتا ہے۔

اس نے کیسے سوچ لیا کہ ہر مریضِ عشق اپنی بیماری سے واقف بھی ہوتا ہے؟ کیا اسے بھول گیا تھا کہ ایسے مریضوں کے پاس ہر وقت خود کو دینے کے لئے ڈھیروں من گھڑت دلیلیں اور بہانے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی توانائی خود کو جسٹفائی کرنے میں ہی صرف کر دیتے ہیں، اور زندگی میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ قیس ہو یا رانجھا، یہ سب مجنوں بھی تھے اور فارغ بھی۔

"یور آنر..... سعدی یوسف سے دھیرے دھیرے میرے موکل کا خاندان برگشتہ ہوتا گیا۔" ساحر کے جادوئی بول جاری تھے۔ وہ ان کی طرف پشت کر کے کھڑا جج کی آنکھوں میں دیکھ کر بول رہا تھا۔ "قریباً ڈیڑھ سال تک سعدی یوسف کے گھرانے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں رہا۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ نوشیرواں سے میرے باپ اور ماں کو بدظن کرنے کے لئے ایک رات یہ اچانک سے ہمارے گھر آیا اور اس نے کہا کہ نوشیرواں دو دن سے رابطے میں نہیں ہے، یقیناً وہ اغوا ہو چکا ہے۔ نوشیرواں ساؤتھ کوریا میں تھا اور دو دن تک کسی سے کوئی رابطہ اس نے نہیں رکھا تھا تو اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سعدی یوسف نے میرے باپ سے کہا، بلکہ ان کو ایک فیس بک میسج بھی دکھایا جس میں لکھا تھا کہ شیرو اغوا ہو چکا ہے اور تاوان کی رقم اس اکاؤنٹ نمبر تک پہنچا دیں۔ تب سعدی یوسف ماشاءاللہ اتنا شاطر نہیں ہوا تھا۔ اس کی بات پہ وقتی طور پہ یقین کرنے کے باوجود میں نے جانچ پڑتال کروائی تو معلوم ہوا یور آنر کہ شیرو کو سعدی نے یہ پرینک کھیلنے کو کہا تھا۔ رقم کا تو ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ جب نوشیرواں کو علم ہوا تو وہ فوراً ملک واپس آگیا۔ اس کو سامنے دیکھ کر شرمندگی سے بچنے کے لئے سعدی نے الزام لگایا کہ یقیناً وہ خود روپوش ہو کر خود ہی اپنے آپ کو اغوا کرنے کا ڈرامہ کر کے باپ سے رقم بٹورنا چاہتا ہے۔ ہم نے اس کا یقین نہیں کیا، اور اس کو سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔ یہ تو مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اکاؤنٹ نمبر بھی اسی کا تھا، اور یہی نہیں یور آنر، موقع کا فائدہ اٹھا کر اس رات جب میں لاؤنج میں بیٹھا تھا تو یہ میرے کمرے میں گیا، میرا لاکر کھولا اور اندر سے ایک خطیر رقم نکال لی۔ میرے لاکر کا کوڈ میری ڈیٹ آف برتھ ہے، اس کے لئے گیس کرنا آسان تھا۔ اس واقعے کے بعد میرا دل اس سے بہت برا ہوا۔ اور میں نے اس سے ترکِ تعلق کر لیا۔ جب کاردارز سے کچھ نہ ملا تو یہ میری سابقہ بیوی شہرین کاردار کے پاس گیا، اور اسے مختلف حیلوں بہانوں سے بلیک میل کرتا رہا اور رقم بٹورتا رہا۔"

"کیا میں تالیاں بجاؤں؟" زمر پیچھے سے اونچا سا بڑبڑائی تھی۔ جج صاحب نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔ احمر سر جھکائے گردن کھجانے لگا اور سعدی..... وہ بس ہاشم کو دیکھتا رہا۔ اب اسے گویا ہاشم پہ افسوس ہو رہا تھا۔

"اس کے پاس اپنے دفاع کے لئے کچھ بھی نہیں ہے، سو وہ مدعی کا کردار اتنا مسخ کر دے گا کہ اگر نوشیرواں پہ جرم ثابت ہو بھی جائے تو

جج کو لگے سعدی جیسے لڑکے کو مار کر اس نے اچھا ہی کیا تھا۔ قتل کے کیس سے بچ نکلنے کا یہ سب سے اچھا طریقہ ہوتا ہے۔ مقتول یا زخمی کا کردار مسخ کر دو۔" زمر نے اس کا ہاتھ دبا کر سرگوشی کی پھر سامنے دیکھنے لگی۔ اس کی بھوری آنکھوں میں سنجیدگی تھی اور ناک کی لونگ چمک رہی تھی۔ وہ مسلسل بائیں انگوٹھے سے تیسری انگلی میں پہنی بڑے سے نگینے کی خوبصورت انگوٹھی اوپر نیچے کر رہی تھی۔ اس میں جڑا نگینہ دور سے نیلا ہیرا لگتا تھا۔ اس کی روشنی مدھم، مگر شفاف تھی۔ ایسی شفاف کہ گویا سیاہ رات میں چمکتے تارے ہوں، جو ٹوٹ کر جڑے ہوں اور ان کی دودھیا روشنی زندگی کی ساری سچائیوں کو منعکس کرتی جائے.....

(دو ماہ پہلے)

اس صبح فوڈ لی ایور آفٹر کی بالائی منزل کی دیوار گیر کھڑکیوں سے بھی تیز روشنیاں اندر آ رہی تھیں۔ زمر اداسی سے بیٹھی، گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی، شیشوں کے پار سڑک کو دیکھ رہی تھی۔ فائلز سامنے بکھری پڑی تھیں اور وہ ان سے لاتعلق لگتی تھی۔ یکایک وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ نیچے پارکنگ میں اس نے کار سے اسے نکلتے دیکھا تھا۔ سرخ رومال والی لڑکی کو۔ زمر تیزی سے فائلز اٹھا کر نیچے لپکی۔

جس وقت آبی نے ریسٹورانٹ کا دروازہ کھولا، زمر کچن کے دروازے کے قریب کرسی پہ بیٹھی محویت سے کتاب سے نوٹس بنانے میں مگن نظر آتی تھی۔ آبدار کی نظریں اس کی ناک میں پہنی سونے کی نتھ پہ اٹھ گئیں۔ ایک ہلکی سی مسکان اس کے لبوں پہ ابھری۔ پھر وہ زمر کو نظر انداز کیے، کاؤنٹر تک آئی۔ وہاں گاہکوں کی طرف پشت کیے سعدی کھڑا رجسٹر کھول کر کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی پرانی زندگی میں دوبارہ پرانے کام کرنے کے باوجود اب پرانے سعدی جیسا نہیں لگتا تھا۔

"کیچپ تم ڈالو گے یا ہم ڈالیں؟" وہ مسکرا کر بولی تو سعدی نے چونک کر گردن موڑی۔ آبدار کو دیکھ کر وہ حیران ہوا۔

"تم؟ ادھر؟" پھر اس پاس دیکھا، زمر کام میں منہمک نظر آتی تھی۔ گاہک آگے پیچھے کرسیوں پہ بیٹھے مصروف تھے۔

"ویلکم ہوم۔ اچھا لگا تمہیں دیکھ کر۔ سنا ہے کل تمہارا انٹرویو آ رہا ہے۔ انٹرویو میں تو کہو گے نہیں، مگر مجھے سامنے دیکھ کر شکریے کا ایک بول کہہ ہی سکتے ہو۔ آخر میں نہ ہوتی تو تم گھر کیسے آتے؟" تفاخر سے مسکرا کر وہ بولی تھی۔

"بہت شکریہ۔" وہ رکھائی سے کہہ کر واپس گھوم گیا۔ آبی کے ابرو خفگی سے بھنچے۔

"سعدی یوسف خان میرا ادھار ہے تم پہ۔"

وہ پھر اچنبھے سے واپس مڑا۔ "کیا؟"

"تمہارا انٹرویو لینا تھا میں نے۔ اپنا کام تو نکلوا لیا تم نے میرے کام کا کیا ہوگا؟" اس نے یاد دلایا۔

"میرے پاس بتانے کو کوئی کہانی نہیں ہے۔" مگر آبدار نے پرس سے کارڈ نکال کر اس کی شرٹ کی فرنٹ پاکٹ میں ڈالا۔

"میں اپنے کلینک میں تمہارا انتظار کروں گی۔ تمہاری نیند کی حالت کی مسافت کا قصہ سننا ہے میں نے۔" اداسی سے مسکرا کر وہ جنید کی طرف گھومی۔ "فارس کہاں ہیں؟" سعدی سر جھٹک کر واپس کام کرنے لگا۔ جنید نے کچن کا بتایا تو وہ وہیں چلی گئی۔ زمر کی کرسی کے ساتھ

سے گزری۔ نہ نظر ملائی نہ رخ پھیرا۔ بس اندر چلی گئی۔

زمر کے لکھتے ہوئے ہاتھ سست پڑ گئے۔ چہرے پہ بےبسی در آئی۔ کوفت اور غصہ۔ اس نے زور سے قلم بند کیا۔ اور ایک عزم سے اٹھی۔

کچن سے ور کرز باہر آ رہے تھے۔ فارس نے شاید ان کو نکالا تھا۔ وہ کھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی' وہ دونوں دوسری جانب تھے۔

درمیان میں اونچے ریکس تھے۔ وہیں رک گئی۔ اندھیر ریک کی اوٹ میں۔

''جی آبدار کہیے۔ آپ کیوں ملنا چاہتی تھیں۔'' وہ دونوں برنر کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ باربی کیو کا دھواں اور اشتہا انگیز خوشبو سارے میں پھیلی تھی۔ فارس گرمی کے باعث پوری آستینوں کو موڑے' دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سادگی سے پُر تھا۔ نہ کوئی کوفت' نہ شکوہ۔ وہ جیسا سے سننا چاہتا تھا۔ زمر کا دل برا ہوا۔ (مجھے نہیں بتایا کہ اس کو ملنے کے لئے بلا رہا ہے۔ ہونہہ۔)

''بابا نے ایک کام کہا تھا مجھے۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے مسکرا کر رسان سے بولی تھی۔ ''کہ ہاشم کو مناؤں' وہ کیس کے لئے راضی ہو جائے۔''

''کس کیس کے لئے؟'' وہ اچنبھے سے بولا۔ زمر کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ اسے اس پہ بھروسہ تھا مگر پھر بھی۔ وہ سب بتا چکی تھی پھر بھی۔

''سعدی یوسف بنام نوشیرواں کاردرا۔ واٹ ایور! اور میں نے اپنے آپ کو بہت خطرے میں ڈال کر ہاشم سے کہا کہ میں اس سے شادی کر لوں گی اگر وہ خود کو بےگناہ ثابت کر دے عدالت میں اور اس گند سے ہمیشہ کے لئے نکل آئے۔ آپ کے لئے... آپ کے خاندان کے لئے میں نے یہ رسک مول لیا۔''

''ابھی تو آپ نے کہا کہ آپ اپنے بابا کے کہنے پہ یہ کر رہی تھیں۔'' وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔ آبی لمحے بھر کو چپ ہوئی۔

''انہوں نے کہا تھا' مگر کیا تو میں نے آپ کے لئے۔''

''اس کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے تو نہیں کہا تھا۔ آپ نہ کرتیں۔ خیر تھی۔'' فارس نے شانے اچکائے۔ ''میں تو ویسے ہی عدالت وغیرہ کے چکر کے خلاف ہوں۔ یونہی آپ نے اپنا وقت ضائع کیا۔''

آبدار پھر سے لاجواب ہوئی۔ ''بہرحال وہ نہیں مانا۔''

زمر نے چونک کر سر اٹھایا اور ریکس کے پار' دور کھڑے ان دونوں کو دیکھا۔ اس کے دل میں بےپناہ مایوسی اتر آئی۔ یعنی ہاشم نہیں مانا؟ وہ اس کیس کو لٹکاتا جائے گا؟

''اچھی بات ہے۔ ملک و قوم کا بہت سا پیسہ بچ گیا۔ یہی بتانے آئی تھیں آپ؟'' فارس غازی پہ تو جیسے کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا۔ آبدار نے گہری سانس لی۔

''فارس.... یہ بات زمر نے کہی تھی بابا سے۔''

وہ چونکا۔ ''کیا بات؟''

آبدار کی رکی سانس بحال ہوئی۔ ہمت بڑھی۔

''یہی کہ اگر میں راضی کر لوں ہاشم کو تو وہ آپ کو چھوڑ دیں گی۔ میرے لئے۔''

آخری دو الفاظ نے یکدم چھناکے سے جیسے بہت سا بھرم اور لحاظ توڑ دیا تھا۔ فارس غازی لاجواب ہو گیا۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب وہ اپنے منہ سے کچھ کہہ رہی تھی۔ زمر نے بے اختیار ریک کو تھاما۔ بہت کچھ اپنی پیچ سے نکلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''میرے بابا اور زمر کی ڈیل ہوئی تھی۔ آپ کے اوپر۔ اور زمر نے کچھ گروی بھی رکھوایا تھا۔ مجھے دو روز پہلے پتہ چلا تو میں فوراً یہ واپس لے آئی۔ بابا کو ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' پرس سے اس نے سیاہ مخملیں ڈبی نکالی اور فارس کی طرف بڑھائی۔ فارس سنجیدگی سے لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس رخ پہ کھڑا تھا کہ زمر کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ اس کی آنکھوں میں زخمی پن سا در آیا تھا۔ اور اس کی ان آنکھوں کو دیکھ کر زمر کا دل ڈوب رہا تھا۔ وہ تیزی سے وہاں جانا چاہتی تھی' یہ ڈبی اس لڑکی کے ہاتھ سے چھیننا چاہتی تھی' مگر قدموں میں جان ہی نہ رہی تھی۔

''آپ یہ زمر کو واپس دے دیں۔ یہ ان کی ہے۔ انہی کی رہنی چاہیے۔''

اس نے فارس کی آنکھوں میں تکتے ہوئے' بنا پلک جھپکے' ڈبی بڑھا کر کہا تھا۔ فارس نے آہستہ سے ڈبی اس کے ہاتھ سے اٹھائی۔ پھر کھولی۔ اندر رکھا ہیرا زمانوں کی داستانیں خود میں سموئے جگمگا رہا تھا۔ اس نے دو انگلیوں سے وہ ہیرا نکال کر دیکھا۔ بدلتی روشنی میں وہ مزید خوبصورت لگنے لگا تھا۔

''آپ کو برا تو لگا ہو گا۔ مجھے بھی لگا۔ معذرت کے ساتھ مگر مسز زمر کو یوں نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ معصومیت سے افسوس کر رہی تھی۔

''اسے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ دو انگلیوں میں لونگ پکڑے دھیما سا بولا تھا۔

''آئی ایم سوری۔ مجھے آپ کو دکھانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ میں نے آپ کا دل دکھایا ہے شاید۔ یا شاید....'' وہ اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے کہہ رہی تھی۔ ''شاید.... مسز زمر نے آپ کا دل دکھایا ہے۔ آپ برا محسوس نہ کریں۔ ہر شخص میں قربانی دینے کا جذبہ نہیں ہوتا۔ وہ... آپ کے لئے.... وہ سب کبھی نہیں کریں گی جو قربانی دینے والے کرتے ہیں۔''

اندھیرے ریک کے اوٹ میں کھڑی زمر نے بے اختیار کنپٹی مسلی۔ سر میں درد ہونے لگا تھا۔

''نہیں میرا دل نہیں دُکھا۔'' اس نے گہری سانس لے کر آبدار کو دیکھا۔ آبی کی آنکھوں میں تحیر سمٹ آیا۔ زمر نے بے اختیار ریک زور سے تھاما۔

''اس نے آپ کا تحفہ یوں کسی کو دے دیا' آپ کا دل نہیں دکھا۔''

''یہ تو ایک چیز ہے۔ چیزوں کا کیا ہے؟ آتی جاتی رہتی ہیں۔'' وہ دو انگلیوں میں مسل کر اسے دیکھ رہا تھا۔ ''میں یا زمر چیزوں کے پیچھے نہیں بھاگتے۔'' یہ کہنے کے ساتھ وہ دائیں جانب گھوما' برنر کا بٹن گھمایا۔ آگ کے شعلے بلند ہوئے۔ تو اس نے ہیرے کی لونگ آگ میں

ڈال دی۔ آبدار کا منہ کھل گیا تھا۔

"یہ آپ نے کیا کیا؟ یہ تو آپ کو بہت عزیز تھی۔ آپ نے خود مجھے بتایا تھا' جب ہم کولمبو جارہے تھے۔" بے اختیار منہ سے پھسلا۔

"یہ تو ایک پتھر ہے۔ اور مجھے یہ عزیز نہیں ہے۔ میں اسے پہلے بھی ایک دفعہ پھینک چکا ہوں۔ مجھے وہ عزیز ہے جس کو میں نے یہ دیا تھا۔" وہ سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا' الفاظ میں گویا کاٹ سی تھی۔ آبدار کے گال سرخ ہوئے۔ آنکھوں میں برہمی ابھری۔ حیرت بھری برہمی۔

"بات چیز کی نہیں ہے۔ اس نے "آپ" کو تین دن تک گروی رکھا ہے۔"

"اس نے مجھے چار سال تک جیل میں بھی رکھا تھا۔ میں اس کو ہزار دفعہ معاف کر سکتا ہوں۔"

کچن میں کوئلوں کے دہکنے کی بو زور سے محسوس ہوئی تھی۔

"آبدار آپ کو اگر لگتا ہے کہ ایک پتھر کے پیچھے ہم ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو آپ ہم دونوں کو نہیں جانتیں۔ ہم نے آگ اور خون کا دریا ایک ساتھ پار کیا ہے۔ ہم اچھے اور برے وقت کے ساتھی ہیں۔ موت کے علاوہ ہمیں کوئی چیز ایک دوسرے سے دور نہیں کر سکتی۔"

زمر سے مزید سنا نہیں گیا۔ شدتِ ضبط سے اس نے لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ آنکھوں سے آنسو ابل ابل جانے کو بے تاب تھے مگر وہ ان کو روکے ہوئے تھی۔

آبدار نے آنکھیں جھکا کر اپنی پٹی شدہ کلائی کو دیکھا' پھر شعلہ بار نگاہیں اس تک اٹھائیں۔ "وہ تمہارے لیے.... یہ کبھی نہیں کرے گی۔" طرزِ تخاطب بدلا' جذبات بدلے' انداز بدلا۔ وہ کہہ کر رکی نہیں۔ تیزی سے وہاں سے نکل آئی۔ دروازے تک پہنچ کر اس نے دیکھا۔ زمر وہاں کھڑی تھی۔ وہ رو نہیں رہی تھی۔ وہ بس سنجیدہ سی کھڑی تھی۔ آنکھیں ذرا بھیگی ہوئی تھیں۔ آبدار پیر پٹخ کر آگے بڑھ گئی۔

وہ اب برنر کی طرف گھوم چکا تھا۔ بھڑکتے شعلے میں وہ جلتی لونگ کو دیکھ رہا تھا جس کے سونے کی تار پگھل پگھل رہی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ نرمی سے اس کا بازو تھاما۔ وہ چونک کر مڑا۔ اسے دیکھ کر حیرت ہوئی۔ فوراً دروازے کو دیکھا۔

"میں سمجھا تم اوپر ہو۔ تم کب آئیں۔" برنر تیزی سے بند کرتے ہوئے وہ بولا تھا۔ وہ واقعی اس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔

"جب تم اسے کہہ رہے تھے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔" فارس نے گرم چولہے سے ننھا ہیرا اٹھانا چاہا' مگر تیز تپش لگی تو جھٹکے سے ہاتھ واپس کھینچا اور انگلی ہونٹوں سے لگائی۔ پھر چونک کر اسے دیکھا۔

"ایک منٹ۔ میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔"

"تم نے کہا تھا۔ میں نے سنا ہے۔ میں نے صرف یہی سنا ہے۔"

"اپنے کانوں کا علاج کرواؤ۔" وہ خفگی سے بازو چھڑا کر اب کپڑے سے لونگ چولہے سے اتار رہا تھا۔

"میں نے خود سنا ہے۔ تم بار بار یہی الفاظ دہرا رہے تھے۔ مجھے ہر لفظ ایسا ہی لگ رہا تھا۔" آنسو اب کے اس کی آنکھوں کو بھگونے لگے تھے۔ "میں تمہیں ڈیزرو نہیں کرتی۔ میں بہت بری ہوں فارس۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" وہ ابھی تک خفا تھا۔ وہ روتے روتے ہنس دی۔ پھر ہتھیلی کی پشت سے آنسو پونچھے۔

"اس کا کیا کرو گے اب؟"

"تم نے میرا تحفہ پھینک دیا میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے کالک زدہ ہیرا کپڑے میں اٹھا کر ڈسٹ بن میں اچھال دیا۔ وہ نم آنکھوں سے مسکراتی ہوئی اسے یہ کرتے ہوئے دیکھے گئی۔

"تم مجھ سے کبھی خفا تھے ہی نہیں۔ موقع ملنے پہ تم نے خود بھی اسے پھینک دیا۔ تم نے اچھا کیا فارس۔ ہمارے گھر والے' ہمارے ملازم' آبدار' یہ سب لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری محبت کی نشانی ہے۔ صرف میں اور تم جانتے ہیں کہ یہ ہمارے راستے کا وہ پتھر تھا جو ہر خوبصورت لمحے کے آخر میں ہمارے پاؤں میں آ کر چبھتا تھا۔ یہ ایک اچھا تحفہ نہیں تھا۔ اس میں دھوکہ تھا۔ دنیا سے چھپا کر کچھ کرنے کا عنصر تھا۔ یہ ہم دونوں کے لئے ڈھیروں شرمندگی کا باعث تھا۔ تم نے اچھا کیا جو اسے پھینک دیا۔ میں نے اچھا کیا جو اسے پھینک دیا۔" وہ ڈسٹ بن میں گرے ہیرے کو دیکھ کر بے خودی کے عالم میں بولے جا رہی تھی۔ فارس کی پیشانی کی شکنیں کم ہوئیں۔ وہ گہری سانس لے کر اس کی جانب گھوما۔

"ٹرائل نہیں ہوگا۔" وہ لونگ کا ذکر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا ذکر کبھی بھی ندامت اور عجیب سے اجنبی پن سے خالی نہیں ہوتا تھا۔

"میں جانتی ہوں۔ اور میں کوشش کرتے کرتے تھک گئی ہوں۔" وہ واقعی تھکی ہوئی نظر آنے لگی تھی۔ "لیکن میں پھر سے کسی ایسے شخص کو ڈھونڈوں گی جو ہاشم کو منا سکے۔ اس کے لئے مجھے بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"چلو... مل کر سوچتے ہیں۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"مل کر کیسے؟"

"دو تین دن کے لئے کسی لمبی مسافت پہ نکل جاتے ہیں۔ اس سارے شور ہنگامے سے دور۔ ان مسئلوں' تھانے کچہریوں اور ان لوگوں سے دور۔ تم تھک گئی ہو۔ کچھ دن آرام کرو گی تو دماغ سے ساری آلودگی چھوٹ جائے گی۔"

"جو تم کہو۔" وہ ستے ہوئے چہرے کے ساتھ مسکرا کر بولی تھی۔

"مگر یاد رکھنا میں نے تمہیں معاف نہیں کیا۔" وہ انگلی اٹھا کر تنبیہ کرتے ہوئے بولا تھا۔ وہ دھیرے سے ہنس دی۔

"تمہاری معافی کی پرواہ ہے کسے؟ تم تو شکر کیا کرو کہ میں نے تمہیں معاف کر کے تم سے شادی کر لی ورنہ تم جیسے دو نمبر آدمی کو میں ڈیزرو نہیں کرتی تھی۔"

"مجھے ایک کورٹ رپورٹر کو ساتھ لے کر گھومنا چاہیے جو تمہاری ہر بات ساتھ ساتھ لکھ کر ریکارڈ کرتا جائے' تم وکیلوں کا کیا بھروسہ جب چاہو مکر جاتے ہو۔" وہ جل کر بولا تھا۔ وہ جواب میں چہک کر کچھ کہہ رہی تھی مگر آوازیں مدھم ہو رہی تھیں.... گویا دور کسی کنویں سے آ رہی

ہوں.... ڈسٹ بن میں گری لونگ کا ہیرا کالک کے باوجود مدھم سا جگمگا رہا تھا......

(آج)

''21 مئی سے چند دن پیچھے آئیں یور آنر۔'' ہاشم کی آواز نے اسے عالم تنویم (گہری سوچ' نیند' hypnosis) سے نکالا۔ وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ کمرہ عدالت میں سب کے سامنے کھڑا ہاشم پورے اعتماد سے جج کو بتا رہا تھا۔

''یور آنر سونیا کاردار کی سالگرہ کے موقع پہ سعدی یوسف کو کاردار خاندان نے مدعو نہیں کیا۔ ہمارے تعلقات اب پہلے جیسے نہیں رہے تھے' لیکن جب کورٹ میں مجھے مسز زمر ملیں (زمر نے ماتھے پہ ہاتھ لے جا کر اس کی سچائی کو سلام کیا) تو ان کی درخواست پہ میں نے سعدی یوسف اور زمر یوسف کے لئے کارڈ بھجوا دیے۔ ہم نے سوچا یور آنر کہ شاید اب یہ نوجوان توبہ تائب ہو چکا ہو۔ مگر یہ ہماری خام خیالی تھی۔ عین پارٹی کے وقت' جب میں باہر مہمانوں میں تھا' سعدی یوسف میرے کمرے میں گیا' اور میرا لاکر کھولنا چاہا۔ پاسورڈ بدل چکا تھا' وہ اسے تو نہ کھول سکا مگر میرے دراز میں رکھا میری بیٹی کا نیکلیس جو اسے میری ماں نے سالگرہ کے تحفے کے طور پہ دیا تھا اور جو اس نے میرے دراز میں ڈال دیا تھا بچوں کی لاپرواہی یو نو' سعدی یوسف نے وہ نکال لیا اور یور آنر اس کے میرے کمرے سے چوروں کی طرح نکلنے کی پوری فوٹیج موجود ہے ہمارے پاس۔ جب وہ باہر آیا تو نوشیرواں نے اس سے بازپرس کی' جس پہ دونوں کی تلخ کلامی ہوئی۔ سعدی کو ایک دم جانے کی جلدی ہو گئی۔ جب وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ ایگزٹ تک آیا تو گارڈ نے اسکینر کے الارم کے باعث اس کو روک کر تلاشی لینی چاہی' جس پہ زمر یوسف نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ میں اس وقت صورتحال سے ناواقف تھا۔ یہ سب دیکھ کر میں نے گارڈز کو جھڑکا اور سعدی کو جانے دیا۔ چند دن بعد جب ہم ایک شادی کی تقریب میں اس سے ملے تو میں نے اسے کہا کہ وہ یہ نیکلیس واپس کر دے۔ وہ میری بیٹی کو بہت عزیز ہے۔ مگر سعدی یوسف نے نہ صرف صاف انکار کیا بلکہ مجھے بھی بے عزت کیا۔ اس دن کے بعد میں نے سعدی یوسف کی شکل صرف اخبارات اور ٹی وی پہ دیکھی۔ اگلے آٹھ نو ماہ تک ہم نے اس کو نہ دیکھا' نہ اس سے ملے۔ یہ فرعون کے دربار والی کہانی مجھے انتہائی افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ من گھڑت ہے۔ سعدی یوسف 21 مئی کو ہمارے آفس نہیں آیا تھا۔ یور آنر ہماری بلڈنگ کی لاگ بک' انٹری ڈیٹا' سی سی ٹی وی فوٹیج' سب ہم عدالت میں جمع کرا چکے ہیں۔ استغاثہ کے پاس ایک بھی گواہ یا ثبوت نہیں ہے جو ثابت کرے کہ ہم نے اس روز سعدی سے ملاقات کی تھی یا شیرو اور سعدی کا کوئی جھگڑا ہوا تھا۔ یور آنر ہم نے تو اتنا عرصہ صرف یوسفز کی مدد کی' ہر مشکل میں ان کے ساتھ کھڑے رہے' فارس غازی کو جیل سے نکلوانے میں کتنا ساتھ دیا ان کا' یہ جانتے ہیں (''جی بالکل۔ بجا فرمایا۔'' گال پہ ہتھیلی جمائے بیزاری سے سنتے ہوئے زمر بولی تھی) یور آنر ہمارے لئے ان کا ایک دم ہمارے خلاف اٹھ آنا شدید دکھ اور صدمے کا باعث ہے۔ فارس غازی نے ہماری انیکسی' ہمیں ہی فروخت کی مارکیٹ سے تین گنا زیادہ قیمت پر۔ شاید وہ رقم بھی کافی نہیں تھی' جواب یہ ایک ایسا کیس کر رہے ہیں جس کے درمیان میں ان کو لگتا ہے ہم لوگ ان کو منہ بند کرنے کے لئے ایک خطیر رقم دیں گے۔ مگر ایسا نہیں ہو گا یور آنر۔ نوشیرواں کاردار ایک معصوم اور بے گناہ لڑکا ہے' اس کی عزت' اس کی نیک نامی' اس کی کریڈیبلٹی ہر شے کو اس الزام نے ٹھیس پہنچائی ہے۔ میری معزز

عدالت سے استدعا ہے کہ نوشیرواں کا ردار کو نہ صرف باعزت بری کیا جائے بلکہ سعدی یوسف کی ملک دشمن سرگرمیوں کا بھی نوٹس لیا جائے۔ یہ آٹھ ماہ کہاں تھا اور کون سے جرائم پہ پردہ ڈالنے کے لئے الزام ہمارے سر تھوپ رہا ہے اس سب کی تحقیقات ہونی چاہئیں۔ اور یہ کام جلد سے جلد ہونا چاہیے۔ کیونکہ میرا خاندان میرے دوست میرا کاروبار ہماری ساکھ ہمارے رشتے ہر چیز اور ہر شخص کو اس بے بنیاد الزام نے شدید دھچکا لگایا ہے۔ ہمیں ہمارے امیر ہونے کی برسوں کی محنت کے بعد حلال رزق سے یہ ایمپائر کھڑی کرنے کی اپنا پیٹ کاٹ کر خون پسینہ اس کمپنی کے لئے لگا کر اس کو اس مقام تک پہنچنے کی سزا دی جا رہی ہے یور آنر۔ میں معزز عدالت سے درخواست کروں گا کہ وہ تمام گواہوں اور ثبوتوں کو اچھی طرح پرکھ کر انصاف کے عین تقاضے پورے کر کے فیصلہ سنائے اور عدالت جو بھی فیصلہ سنائے گی ہمیں وہ قبول ہو گا۔ تھینک یو یور آنر!''

سر کو خم دے کر وہ واپس اپنی کرسی تک آیا تھا۔ جواہرات اب مطمئن سی مسکرا رہی تھی اور زمر سعدی حنین ہاشم کو بھوکے شیروں والی نظروں سے گھور رہے تھے۔ ایسے میں صرف نوشیرواں تھا جس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں اور وہ ایک نقطے پہ پتلیاں ساکت کیے بنا پلک جھپکے بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔ جج صاحب کچھ کہہ رہے تھے مگر نوشیرواں کا دماغ اس کی نگاہوں کی طرح ایک ہی نقطے پہ آ کر جم گیا تھا گویا برف کا کوئی تودہ ہو جس کی تہہ در تہہ برف میں یادیں اور قصے ثبت ہو کر امر ہو گئے ہوں... ٹھنڈے... یخ......

(دو ماہ پہلے)

برف کی موٹی موٹی ڈلیاں مشروب کے گلاس کی سطح پہ تیر رہی تھیں جب بارٹینڈر نے کاؤنٹر پہ وہ گلاس اس کی جانب دھکیلا۔ اونچے اسٹول پہ بیٹھے شیرو نے اسے اپنی طرف کیا اور اندر ذرا سا اسٹرا ہلایا۔ ساتھ ہی وہ موبائل چیک کر رہا تھا۔

''تمہاری اینکل اسٹریپ کہاں ہے شیرو؟'' دو نوجوان وہیں قریب میں آ کھڑے ہوئے تھے۔ ایک نے اونچی سی آواز کسی۔ دوسرا ہنسا۔ (امریکہ میں اس طرح اگر کسی کو ضمانت پہ رہا کیا جائے اور ہاؤس اریسٹ کر دیا جائے تو اس کے ٹخنے پہ ایک پٹا باندھا جاتا ہے جو اس کی پوزیشن کو مانیٹر کرتا رہتا ہے۔) نوشیرواں نے چہرہ اٹھا کر تندہی سے ان دونوں کو دیکھا۔

''تمہارے باپ کو جب نیب والے پکڑ کر لے گئے تھے تو میری اسٹریپ ادھار میں ساتھ لے گئے تھے۔'' دوسرا نوجوان پھر سے ہنسا۔ مگر پہلے نے ابرو اچکائے۔

''میں تو مذاق کر رہا تھا۔ یہ جیل جانا عدالتوں سے گزرنا یہ تو شان کی باتیں ہوتی ہیں۔'' آگے بڑھ کر اس نے شیرو کا کندھا زور سے تھپکا۔ نوشیرواں نے (ہونہہ) کندھا جھٹکا اور موبائل کی اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا.....

اور پھر یہ تبھی تھا جب سارے میں ایک شناسا سی آواز گونجنے لگی۔ کسی ڈرائو نے خواب کی سی کیفیت میں اس نے سر اٹھایا۔ کسی نے لاؤنج کی دیوار پہ لگی وہ پورے انسان کے سائز کی ایل ای ڈی کی آواز تیز کر دی تھی۔ مدھم بتیوں کے باعث سارے میں نیم اندھیرا سا تھا اور اسکرین کسی سنیما کا ماحول پیش کر رہی تھی۔ نوشیرواں کی نگاہیں وہاں جا کر ٹھہریں تو واپس پلٹنا بھول گئیں۔

معروف اینکر کے سامنے صوفے پہ پیچھے کو ہو کر بیٹھا وہ ویران مگر سنجیدہ چہرے والا لڑکا... ٹھہرے ہوئے مگر مضبوط لہجے میں وہ کتھا بیان کر رہا تھا۔ "میں اسے وہاں اس زیرِ تعمیر گھر میں دیکھ کر حیران ہوا تھا۔"

"اور پھر اس نے آپ کو گولی ماری۔" آگے کو ہو کر بیٹھا اینکر تاسف اور ہمدردی سے پوچھ رہا تھا۔ سلور گرے ڈریس شرٹ میں ملبوس سعدی کے بال ذرا بڑے ہو گئے تھے۔ گھنگریالے بل اب نظر آنے لگے تھے۔ ان کو جیل لگا کر اس نے پیچھے کو جما رکھا تھا۔ بھوری آنکھوں میں یہ سنتے ہی گہرا درد آ بسا۔ آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔ کہنی صوفے کے ہتھے پہ جمائے وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم مسل رہا تھا۔

"میں نے اسے کہا کہ وہ یہ نہ کرے۔ نہیں۔ میں نے اس کی منت نہیں کی۔ مگر میں نے کہا کہ وہ اپنے بھائی جیسا نہیں ہے۔" نیم روشن لاؤنج میں لڑکے لڑکیاں گلاس چھوڑ کر سننے لگے تھے۔ موسیقی بند ہو گئی تھی۔ پلیٹوں میں چلتے چمچ کانٹے رک گئے تھے۔ دم سادھ کر گویا اسے سنا جا رہا تھا جو بڑی اسکرین پہ اتنا بڑا سا لگ رہا تھا۔ خود زندگی سے بھی بڑا۔

"میں نے اسے کہا کہ میں جانتا ہوں وہ یہ نہیں کرنا چاہتا۔ میں جانتا ہوں وہ اندر سے ایک اچھا انسان ہے۔ اور پھر میں نے وہی کہا جو ہابیل نے قابیل سے کہا تھا۔ اگر تم مجھے قتل کرنا چاہو تب بھی میں تم پہ ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ کیونکہ وہ میرا مسلمان بھائی تھا۔ مجھے آخری لمحے تک یقین نہ تھا کہ وہ مجھ پہ گولی چلا سکتا ہے۔ وہ high تھا (نشے میں تھا)۔ اس کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔ مجھے اس پہ ترس بھی آ رہا تھا۔ مگر مجھے یقین تھا کہ وہ میرے اوپر گولی نہیں چلائے گا۔ میں نے اس کی جان بچائی تھی۔ مجھے لگا وہ کبھی نہیں بھول سکے گا کہ جب وہ ڈرگز کی زیادتی کے باعث مر رہا تھا تو میں اسے ہسپتال لے کر گیا تھا۔ مجھے لگا وہ یاد رکھے گا کہ کبھی ہم دوست تھے۔ مگر نوشیرواں کاردار نے کچھ یاد نہیں رکھا۔ میں ان آخری لمحوں میں بھی اسے شیرو کہہ کر پکار رہا تھا۔ اور پھر اس نے مجھے تین گولیاں ماریں، اور کہا کہ میرا... نام... نوشیرواں ...ہے۔"

شو کے سیٹ پہ چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ گویا سانسیں تک رک گئی ہوں۔

"گولی کھانے کے بعد کیا ہوا؟ آئی نو یہ آپ کے لئے تکلیف دہ ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ ملک بھر میں، بلکہ دنیا بھر میں جہاں جہاں بھی بی این نیوز کی نشریات جا رہی ہیں، اور لوگ آپ کو دیکھ رہے ہیں، ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقت کیا ہے۔"

سعدی نے ایک گہری سانس لی۔ "مجھے تین گولیاں ماریں اس نے۔ پیٹ میں۔ کندھے میں۔ ٹانگ میں۔ میں نیچے گر گیا۔ زمین پہ۔ مجھے لگا اب وہ بھاگ جائے گا، مگر وہ نہیں بھاگا۔ میں اب تک بے یقین تھا۔ شاک میں تھا۔ پھر وہ میری طرف آیا۔ شاید مجھے لگا کہ اب یہ مجھے اٹھائے گا۔ وہ میرا دوست تھا۔ وہ میرا اچھا دوست رہا تھا۔ مگر اس نے مجھے بوٹ سے ٹھوکر ماری۔ وہ میرے منہ پہ...." رک کر سانس لیا۔ "وہ میرے منہ پہ جوتے سے ٹھوکریں مارتا رہا۔ ساتھ میں وہ مجھے گالیاں بھی دے رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ میری وجہ سے وہ ہمیشہ outshine ہو جاتا ہے۔ میرے سامنے وہ بیسٹ نہیں لگ سکتا۔ وہ مجھے مارتا گیا۔ بری طرح۔ گولی سے زیادہ تکلیف دہ وہ ٹھوکریں تھیں۔ وہ بوٹ کی ٹھوکریں جو میرے منہ پہ آ لگی تھیں۔" اسکرین پہ اب زخمی سعدی یوسف کی پولیس فوٹوز دکھائی جا رہی تھیں۔ زخم زخم

چہرہ۔ زخمی جسم۔ بند آنکھیں۔ رستا خون۔

"لوگ کہتے ہیں روحانی اذیت زیادہ ہوتی ہے مگر میں آپ کو بتاؤں' جسمانی اذیت زیادہ برا حال کرتی ہے۔ اسی لئے تو قیامت کے بعد برے لوگوں کے لئے جہنم کا وعدہ ہے۔ جسمانی اذیتوں کی جگہ۔ یہ نہیں وعدہ کیا گیا کہ مشرکوں کو ڈپریشن ہو گا' یا ان کے دل ٹوٹ جائیں گے' ان کو طنز و طعنے سے اداس کیا جائے گا بلکہ جسمانی عذاب کی وعید سنائی گئی۔ وہ تکلیف' وہ اذیت ....وہ بہت زیادہ تھی' اور اس لمحے میرے منہ سے ایک ہی بات نکلی تھی..... "اللہ حساب لے گا۔"

اسنکر اب بریک پہ جا رہا تھا۔ کوئی ٹرانس سا ٹوٹا تھا۔ گردنیں مڑیں۔ نگاہیں اٹھیں۔ سب نوشیرواں کو دیکھ رہے تھے۔ کوئی کچھ نہیں بولا۔ بس نظریں اس پہ گاڑھ دیں۔ وہ ملامتی' وہ اندر تک اتر جانے والی غصیلی نظریں' وہ نفرت انگیز نظریں ....وہاں موجود ہر شخص مدھم زرد بتیوں میں صاف نظر آتے اسٹول پہ بیٹھے شیرو کو دیکھ رہا تھا۔

نوشیرواں چیخ چلا کر بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر الفاظ دم توڑ گئے تھے۔ وہ دھیرے سے اٹھا۔ والٹ اور چابیاں اٹھائیں' فون جیب میں ڈالا۔ سب اسے گھور رہے تھے۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ نظریں انی کی طرح اس کے سارے وجود میں اتر رہی تھیں۔ اسے پسینہ آنے لگا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا۔ دروازہ دور تھا۔ نظریں اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اس کا تنفس تیز' بے ترتیب ہو رہا تھا۔ نفرت' ملامت' غصہ' وہ سارے جذبات آگ کی لپیٹوں کی طرح اس کا پیچھا کر رہے تھے....گویا یہ لپٹیں اس کو کھا جائیں گی....بدقت وہ باہر نکل پایا تھا....مگر اس ساری تپش نے کاؤنٹر پہ رکھے گلاس میں تیرتی برف کی ڈلیوں کو پگھلا دیا تھا۔ برف کی جمی پرتیں پانی بنتی جا رہی تھیں۔

(آج)

"استغاثہ اگلی پیشی پہ گواہوں کو پیش کرے گا' تمام کاغذات عدالت میں جمع کرا کے...." جج صاحب کی سخت کھردری آواز نے نوشیرواں کو چونکایا تھا۔ وہ ایک دم بے اختیار گردن موڑ کر استغاثہ کی کرسیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ وہاں سعدی اسی طرح اداس سا بیٹھا تھا۔ زمر اب اٹھ کر جج صاحب کے ڈیسک تک جا کھڑی ہوئی تھی۔ ہاشم ہاتھ میں کاغذ پکڑے کچھ کہہ رہا تھا اور احمر فائل سے کاغذ نکال نکال کر اسے تھما رہا تھا۔ مگر شیرو کی نظریں اس کے اداس چہرے پہ جم سی گئیں.....

سعدی وہاں نہیں تھا۔ اس کا گہرا خیال اسے یہاں سے دور کسی جنگل بیاباں سے گزار کر....برف کے سمندر اور سنہری ریت کے محل عبور کرا کے....نیلی جھیل اور سفید چوٹیوں کے اوپر سے اڑا کے....اونچی آبشاروں کی سطح پہ تیرا کے....اس کا خیال اس کو وقت میں پیچھے لے جا رہا تھا.....

(دو ماہ پہلے)

مورچال کی دیواروں سے چمٹی سبز بیلیں اداس اور ویران لگتی تھیں۔ زمر اپنے کمرے میں کھڑی تھی۔ بیڈ پہ سفری بیگ کھلا تھا اور وہ اس میں کپڑے تہہ کر کے ڈال رہی تھی۔ انداز سے شدید اکتائی ہوئی لگتی تھی۔ [illegible] کرنے میں [illegible] سعدی کو

دیکھا۔ ”میں نے یہ تمہارے لئے نہیں کیا۔ دسویں دفعہ بتا رہی ہوں۔“

”آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے؟“ وہ ذرا بے بس پریشانی میں قریب آیا۔ ”اگر آپ ٹرائل کے لئے فارس ماموں کو چھوڑ دیں گی تو کیا میں یوں خوش ہوں گا۔“

”میں ان ٹپیکل عورتوں میں سے نہیں ہوں جو ہر دوسرے دن کسی ٹی وی ڈرامے میں شوہر کو قربانی کر رہی ہوتی ہیں۔ میں تو صرف....“ سر جھٹکا اور بیگ کی زپ بند کی۔ ”میں صرف ایک کوشش کر رہی تھی۔ مگر بہرحال اب کوئی ٹرائل نہیں ہوگا۔ کیس فائلوں میں دب جائے گا۔ اس لئے میں.... کچھ دن کے لئے یہاں سے جا رہی ہوں۔ پلیز مجھے مت روکنا۔“

وہ خفگی سے اسے دیکھتا رہا۔ ”آپ جا رہی ہیں اور چاہتی ہیں کہ میں آپ کو نہ روکوں؟“ پھر گہری سانس لی۔ ”آپ نے سوچا بھی کیسے کہ میں آپ کو روکوں گا؟ کب سے لگنے لگا میں آپ کو اتنا خودغرض۔ کیا میں آپ کو سکون سے چند دن نہیں گزارنے دوں گا؟ نہیں چاہیے مجھے ایسا ٹرائل جس کے لئے مجھے آپ دونوں کی قربانی دینی پڑے۔“

زمر کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ بکھری۔ ”مگر مجھے تو چاہیے تھا نا۔ خیر جب میں واپس آؤں گی تو ہم مل کر کچھ حل نکالیں گے اور پھر.....“

”اور پھر کوئی کیس نہیں لڑ رہے ہم۔ کم از کم آپ کے واپس آنے تک میں اس موضوع پہ کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔“

”اوکے!“ زمر نے ہاتھ اٹھا کر اسے تسلی دی۔ ”اب میں پیکنگ کر لوں۔“

”اور یہ آبدار صاحبہ کب سے آپ کو تنگ کر رہی ہیں؟ اس کو میں کل فکس کرتا ہوں۔“ وہ شدید غصے میں تھا۔ زمر ایک دم ہنس پڑی۔

”ہنسیں کیوں؟“

”تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے کوئی غنڈہ بدمعاش مجھے بس اسٹاپ پہ روز تنگ کرتا ہو۔ ارے یار وہ ایک اچھی لڑکی ہے اور اس کو تمہارے دو نمبر ماموں اچھے لگتے ہیں۔ ظاہر ہے کوئی ہمت بڑھائی ہوگی ان صاحب نے جو بات یہاں تک پہنچی۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی آخر میں لہجہ ذرا جل سا گیا۔ سعدی کے ماتھے کے بل ڈھیلے پڑے۔ ذرا سا مسکرایا۔

”ایک وقت تھا وہ آپ کو زہر لگتے تھے۔“

”شہد اب بھی نہیں لگتا۔ زہر ہی ہے۔“ سر جھٹک کر وہ پرس میں چیزیں ڈالنے لگی۔ پھر اس کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کر کے چہرہ اٹھایا۔ وہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

”کیا؟“

”کچھ نہیں۔“ ہنس کر سر جھٹکا۔ ”آپ آرام سے جائیں۔ اب ہم کسی ٹرائل کا نہیں سوچیں گے۔“ زمر اسے چند لمحے تک دیکھے گئی۔ جیسے کنفیوژ ہو۔ پھر امید بندھی۔ ”تم سچ کہہ رہے ہو نا۔ میرا مطلب ہے۔ تم ٹھیک ہو نا؟“

”اب ہو گیا ہوں ٹھیک۔ آپ کو خوش دیکھ کر ٹھیک ہوں میں۔ اور وہ جو باتیں گروپ پہ آپ میرے لئے لکھتی ہیں نا ان کو پڑھ کر مزید

ٹھیک ہو گیا ہوں۔ فکر نہ کریں اور آرام سے جائیں۔" وہ مسکرا رہا تھا اور تسلی بھی دے رہا تھا۔ زمر کا دل جیسے ہلکا سا ہو گیا۔ وہ سکون سے پیکنگ کرنے لگی۔

پھر باہر سے استری والے کپڑے اٹھانے آئی تو کمرے کے سامنے لاؤنج کے صوفے پہ حنہ بیٹھی تھی۔ یقیناً وہ کھلے دروازے کے باعث سب دیکھا اور سن چکی تھی۔ (گھر میں اس وقت اور کوئی نہیں تھا۔ سب سارہ خالہ کی طرف گئے تھے۔ ندرت کو بہت گلے تھے ان لوگوں سے۔)

"اس کو جج مت کریں۔" زمر کو استری اسٹینڈ سے تہہ شدہ کپڑے اٹھاتے دیکھ کر وہ بے خودی کے عالم میں بولی تھی۔ زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ "وہ بیمار ہے۔ آبدار۔ اس کو جج مت کریں۔"

زمر نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ بس کپڑے اٹھاتی رہی۔ دونوں کے بیچ سعدی کے آنے کے بعد سے در آنے والا تناؤ ایک دم زیادہ محسوس ہونے لگا تھا۔ پھر حنہ شکستگی سے بولی۔ "سوری مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میرا مقام ایسا نہیں ہے کہ میں آپ کو غلط یا صحیح بتا سکوں۔"

زمر ایک جھٹکے سے اس کی طرف گھومی۔ پیر اوپر کر کے بیٹھی اس اداس لڑکی کو سنجیدگی سے دیکھا۔

"تم سعدی کی جگہ نہیں لے سکتیں حنہ۔ تم.... سعدی.... کبھی نہیں بن سکتیں۔ جو میرے لیے سعدی ہے وہ تم نہیں ہو سکتیں۔ کبھی بھی!"

حنہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ دل اتنا زور کا ٹوٹا تھا کہ اسے اپنے کانوں میں کرچیاں بکھرنے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔

"ہر شخص کا اپنا مقام ہوتا ہے۔ تم سعدی نہیں بن سکتیں، نہ تم اس کی طرح ہو۔ تم حنہ ہو۔ اور جو تم میرے لیے ہو وہ سعدی میرے لیے نہیں بن سکتا۔ اسی طرح فارس، سعدی، یا دنیا میں کوئی بھی شخص خواہ اس سے میں کتنی ہی محبت کروں یا وہ مجھ سے محبت کرے، وہ میرے لیے حنہ نہیں ہو سکتا۔ حنہ کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ خونی رشتوں میں موازنہ اور مقابلہ نہیں کرتے۔ کر ہی نہیں سکتے۔ ہر شخص کی اپنی جگہ ہوتی ہے۔ تمہاری بھی ہے اور اس جگہ کو کوئی نہیں بھر سکتا۔"

آنسو حنہ کی آنکھوں میں چمکنے لگے۔ لب ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلے۔

"اور ایسے ہی تمہاری زندگی میں کوئی زمر کی جگہ نہیں لے سکتا جس کے جانے کے بعد تم کھڑکی پہ کھڑی ہو کر اس کے واپس آنے کا انتظار کرو۔ جس کی بھولی ہوئی چابیاں اور گلاسز لوٹانے کے لیے تم اس کا بیچ راستے سے مڑنے کا انتظار کرو۔ جب تم زمر کا مقابلہ سعدی سے نہیں کر سکتی تو میں بھی حنہ کا مقابلہ سعدی سے نہیں کر سکتی۔"

حنہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ آنکھوں پہ چھائی گرد کو زمر نے پانی ڈال کر جیسے دھو دیا تھا۔ زمر کپڑے لے کر آگے بڑھ گئی اور وہ ایک خوشگوار احساس میں گھری بیٹھی رہ گئی۔ ایک محبت کھوئی تو کیا ہوا۔ بہت سی مل بھی تو گئیں۔ سعدی آہستہ سے اس کے ساتھ آ کر بیٹھا تو حنہ چونکی۔ اس کی مسکراہٹ غائب تھی۔ اور چہرے پہ ویرانی تھی۔ "ہم نے ٹرائل لڑنا ہے حنہ، مجھے بتاؤ کیسے!"

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

حنین کے دل کو دھکا سا لگا۔" تو وہ سب جو ابھی کہا۔"

"یہ میری جنگ ہے، مجھے لڑنی ہے، ان کو پریشان نہیں کرنا چاہتا۔"

سوری مگر میں ٹیم فارس ہوں اور میرا خیال ہے آپ کو بالکل بھی انصاف نہیں ملے گا۔ یہ سب بے کار ہے بھائی۔" وہ الٹا اسے سمجھانے لگی تھی۔ سعدی بنا تاثر لئے بس اسے دیکھے گیا۔

(آج)

اپنے عالمِ تنویم سے وہ نکلا تو خود کو عدالتی کمرے میں پایا۔ پھر سر جھٹک کر وہ اٹھا اور جانے والوں کے ساتھ باہر نکل گیا۔ اس کی کرسی وہیں پڑی رہی۔ دیوار پہ لگی گھڑی کی سوئیاں اپنی مسافت طے کرتی رہیں۔ روشنی، اندھیرا، روشنی، بارش، آندھی، پھر اندھیرا، پھر روشنی۔ کھڑکی سے باہر آسمان کے سارے بدلتے عکس اس کرسی پہ پڑتے رہے یہاں تک کہ وہ واپس آ کر اس پہ بیٹھا، آج سیاہ کرتے اور سفید شلوار میں ملبوس تو یوں لگتا تھا گویا بالخصوص تیار ہوا ہو۔ تازہ شیو، تازہ قلموں سے تراشے بال، نیا کرتا شلوار، پیروں میں پشاوری چپل، وہ گویا تیار تھا۔

گواہی دینے کے لئے۔

نظر اٹھا کر اطراف میں دیکھا۔ تو سب اپنی معمول کی کرسیوں پہ آ بیٹھے تھے۔ ہلچل اور آوازوں کے بیچ بھی وہ دیکھ سکتا تھا، نوشیرواں چپ چاپ ہاشم کے پہلو میں بیٹھا ہے۔ اس کا چہرہ ویران اور آنکھیں رتجگے کے باعث سرخ تھیں۔ وہ بالکل لاتعلق سا سامنے دیکھ رہا تھا۔ کسی غیر مرئی نقطے کو.... شاید اس کی نظروں میں بہت سے نقطے تھے.... سفید نقطے.... ٹی وی اسکرین کے سفید شور کی طرح....

(دو ماہ پہلے).

اس نے چینل بدلا تو اسکرین پہ سفید دانے سے آ رہے تھے۔ (White noise) ہاشم نے بے تاثر چہرے کے ساتھ اگلا چینل لگا لیا۔ وہ اس وقت آدھی آستین کی شرٹ اور ٹراؤزر میں بیٹھا، بازو صوفے کی پشت پہ پھیلائے ہوئے اور پاؤں میز پر رکھے ہوئے تھا۔ یہ اس کے آرام کا وقت تھا۔ بیڈ روم کی بتیاں بھی مدھم تھیں۔ ایسے میں دروازہ دستک کے بعد کھلا تو اس نے چونک کر دیکھا۔ چوکھٹ میں شیرو نظر آ رہا تھا۔ نیم روشن ماحول میں بھی وہ اس کی آنکھوں کی سرخی دیکھ سکتا تھا۔

"تم نے ڈرگز لی ہیں کیا؟" ہاشم بولا تو لہجہ نہ سخت تھا نہ نرم۔ بس وہ جاننا چاہتا تھا۔ نوشیرواں خاموشی سے اندر آیا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کیا۔ لاک کے چوکھٹ میں گھس کر "کلک" ہونے کی آواز آئی۔ شیرو ہاتھ پیچھے دروازے پہ رکھے یونہی کھڑا رہا۔

"میں انٹرویو نہیں دے سکتا۔"

ہاشم نے نہ ابرو بھینچے نہ بے رخی ظاہر کی۔ بس سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھے گیا۔

"میں سعدی کی طرح انٹرویو نہیں دے سکتا۔ آپ نے جو انٹرویو میرے لئے رکھوایا ہے اس کو منسوخ کر دیں۔"

"کیوں؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔ سیاہ آنکھیں نوشیرواں کی سرخی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

چند پل سر کے۔زرد روشنیوں کا نیم اندھیرا مدھم سی ٹی وی کی آواز' کھڑکی کے باہر بہتی' بھیگتی رات....سب خاموش تھے۔

''مجھ سے وہ سب....وہ اسکرپٹ نہیں بولا جائے گا۔ بھائی لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔'' وہ پھٹی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔''جب سے اس کا انٹرویو آیا ہے میں' جس جگہ جاؤں' لوگ یا تو مجھے باتیں سناتے ہیں یا نفرت سے دیکھتے ہیں۔میں کسی پارٹی میں کسی محفل پہ بیٹھوں تو لوگ وہاں سے اٹھ جاتے ہیں۔میں قابلِ نفرت' قابلِ حقارت بن کر رہ گیا ہوں۔'' اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔''اس نے ساری زندگی میرے ساتھ یہی کیا۔مجھے ہمیشہ اندھیروں میں دھکیل کر ساری روشنی خود سمیٹنی چاہی۔وہ اب بھی میرے ساتھ یہی کر رہا ہے۔جو بوٹ میں نے اس کے منہ پہ مارے تھے' وہ میرے ہر دوست' ہر عزیز' پبلک کے ہر آدمی سے میرے منہ پہ لگوا رہا ہے۔میں قید ہو کر رہ گیا ہوں۔''

''ملک سے باہر چلے جاؤ۔''

''اس سے کیا ہوگا؟ میرا سوشل سرکل تو وہی رہے گا نا۔میں ایک دفعہ بھاگا تھا اب نہیں بھاگوں گا۔'' ایک عزم سے اس نے نفی میں سر ہلایا۔''میں انٹرویو نہیں دوں گا' کچھ نہیں بولوں گا۔کیونکہ میرے پاس خاموش رہنے کا حق ہے۔برڈن آف پروف الزام لگانے والے پہ ہوتا ہے' انہیں ثابت کرنے دیں۔عدالت میں ان کے خلاف میرا دفاع کریں بھائی۔مجھے بری کروا دیتا کہ میں فخر سے کہہ سکوں کہ میں بے گناہ تھا تبھی مجھے بری کیا گیا ہے۔''

ہاشم چند ثانیے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔شیرو کے چہرے سے واضح تھا کہ وہ بہت مشکل سے اس فیصلے پہ پہنچا ہے۔

''ہم ٹرائل پہ نہیں جا رہے شیرو۔میں اس کیس کو فائلوں میں دبا دوں گا۔''

''مگر بھائی' ہم....''

''تمہیں کیا لگتا ہے میں یہ کیوں کر رہا ہوں؟'' ہاشم ریموٹ رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔اس کا لہجہ تند ہو گیا تھا۔

''کیا؟''

''یہی۔بار بار کہنا میں ٹرائل پہ نہیں جاؤں گا۔''

نوشیرواں سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ہاشم چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے سامنے آ رکا۔اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میں یہ تمہیں بچانے کے لئے نہیں کر رہا تھا۔میں یہ خود کو بچانے کے لئے کر رہا ہوں۔''

''مگر آپ کا تو نام ہی نہیں....''

''میں یہ اپنی روح بچانے کے لئے کر رہا ہوں۔جانتے ہو ٹرائل میں جائیں گے تو کیا ہوگا؟'' وہ تیزی اور درشتی سے بولا تھا۔''مجھے ان کے خاندان کے ایک ایک شخص کو عدالت میں گھسیٹ گھسیٹ کر بے عزت کرنا ہوگا۔مجھے زمر کو ایک کرپٹ وکیل اور ایک منافق عورت ثابت کرنا ہوگا جو اپنے شوہر کے خلاف بھی پلاننگ کرتی رہی ہے۔مجھے سعدی کو دہشت گرد اور مجرم اور ہوس پرست لالچی نوجوان ثابت کرنا

ہوگا' حنین کو بد کردار اور فارس کو قاتل ثابت کرنا ہوگا۔ جب ہم ان سب کے کردار مسخ کر چکے ہوں گے فائلیں کھول کھول کر جج کو دکھائیں گے کہ ہاشم یوسف نے ناجائز زمین پہ قبضہ کر رکھا ہے اور ان کے بڑے ابا اپنی ملازمت کے دوران کتنی دفعہ رشوت لے چکے ہیں' اور جب یہ کہانیاں اخباروں میں چھپیں گی اور ٹی وی پہ دکھائی جائیں گی' تب... تب عدالت سعدی کی بات پہ یقین کرنا ختم کرے گی۔ تمہیں بے گناہ ثابت کرنے کے لئے یا تو میں اس پورے خاندان کو نئے سرے سے تباہ کروں یا اس کیس کو ہی دبا دوں۔ دونوں صورتوں میں جیتیں گے ہم ہی۔ تو پھر میں کیوں کروں ان کے ساتھ دوبارہ ایسے؟ کیا ہم نے کم نقصان کیا ہے پہلے ان کے خاندان کا؟ کتنے لوگ مارے' کتنے ابھی تک ہماری وجہ سے بیمار ہیں' اور سعدی... کیا میں اسے دہشت گرد ثابت کردوں؟ کیا یہ اس کو مار ڈالنے کے برابر نہیں ہوگا؟ تم کیوں چاہتے ہو کہ میں مووآن نہ کروں؟ اس سب کو چھوڑ کر نئی زندگی نہ شروع کروں؟ بہت دفاع کر لیا میں نے تمہارا' اب نہیں کروں گا اور تم چپ چاپ وہی کرو گے جو میں کہوں گا۔ یہ میں اپنے مفاد کے لئے نہیں کر رہا۔ مجھے... عدالت... میں... کوئی نہیں ہرا سکتا نوشیرواں۔ زمر اور سعدی مل کر بھی نہیں۔ مگر یہ سب میں اپنی روح اور ان کی زندگیوں کے لئے کر رہا ہوں۔"

نوشیرواں حق دق سا اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے اس سب کی امید نہ تھی.....

ٹی وی اسکرین ہنوز چل رہی تھی۔ سگنل پرابلم کی وجہ سے اس چینل پہ رنگ برنگے دانے سے ابھرتے نظر آنے لگے تھے.... ساتوں رنگ کے دانے....

(آج).

"ریکارڈ کے لئے اپنا نام بتائیے۔" کسی مقناطیس نے لوہے کے ان سارے ذرات کو گہرے کنویں سے باہر کھینچ نکالا۔ نوشیرواں سنبھل کر اپنے گرد موجود حد اتی کمرے کا احساس کر کے' کٹہرے کی طرف دیکھنے لگا جہاں سعدی کھڑا تھا۔ کٹہرے کے اندر۔ وہ حلف لے چکا تھا اور اب اس کے سامنے' تین قدم پیچھے کھڑی زمر گردن اٹھا کر اسے دیکھتی نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

"سعدی ذوالفقار یوسف خان۔" اس نے کٹہرے کی ریلنگ پہ دونوں ہاتھ جمائے پوری طمانیت سے کہا تھا۔

"آپ کہاں پیدا ہوئے تھے؟"

"اسلام آباد۔"

"مذکورہ واقعے سے پہلے آپ کیا کرتے تھے؟" سب خاموشی سے ان دونوں کو سن رہے تھے۔

"میں... کیمیکل انجینئر تھا۔"

"ذرا اونچا بولیں۔" زمر نے اشارہ کیا۔ وہ ہلکا سا کھنکار کر بولا۔ "میں کیمیکل انجینئر ہوں' یونیورسٹی آف لیڈز سے میں نے تعلیم حاصل کی ہے۔ اور میں نیسکام میں بطور سائنسدان کام کرتا تھا۔ تھر کول پاور پراجیکٹ کا میں سینئر انجینئر تھا۔" سعدی کے چہرے پہ طمانیت تھی۔ وہ اٹھی گردن اور ٹھنڈی آنکھوں کے ساتھ بتا رہا تھا۔ جج صاحب رخ اس کی جانب ترچھا کیے غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''سعدی یوسف' آپ کے والد کیا کرتے تھے؟'' زمر دونوں ہاتھ باہم پھنسائے کھڑی پوچھ رہی تھی۔

''وہ ایک ٹیچر تھے۔ میں تیرہ سال کا تھا جب ان کی ڈیتھ ہوئی۔''

''اور آپ کی والدہ؟''

''ابو کی ڈیتھ کے بعد انہوں نے ٹیچنگ شروع کی۔ ہمیں بڑا کیا۔ پھر بعد میں انہوں نے ریسٹورانٹ کھول لیا۔ کرایہ پہ شاپ حاصل کی تھی۔ ہمارا گھر بھی کرایے کا تھا۔'' زمر نے ذرا چہرہ موڑ کر جج صاحب کے تاثرات دیکھے' پھر واپس اس کی طرف گھومی۔ جج صاحب عینک کے پیچھے سے بے تاثر نظروں سے اسے دیکھتے رہے۔

''تو آپ پھر لیڈز پڑھنے کیسے گئے؟''

''میں نے ایک اسکالرشپ اپلائی کی تھی' مجھے بتایا گیا کہ مجھے اسکالرشپ ملی ہے' ایک امیر آدمی مجھے اسپانسر کرے گا۔''

''کیا واقعی ایسا ہی تھا؟''

''میں کئی برس تک سمجھتا رہا کہ ایسا ہی ہے' مگر بہت دیر سے مجھے معلوم ہوا کہ میری فیس زمر یوسف دیتی ہیں۔''

''اور میں نے آپ کو اس بات سے کیوں آگاہ نہیں کیا تھا۔''

''کیونکہ میں آپ کو آپ کا واحد پلاٹ اپنے لئے نہ بیچنے دیتا کبھی۔ آپ نے مجھے بتائے بغیر اسے بیچا' اور پھر میری فیس بھری۔ پانچ سال تک بھری۔''

وہ اداسی سے مسکرایا۔ زمر بھی ہلکا سا مسکرائی۔ ماحول میں ایک نرم سے' خلوص بھری محبت کی خوشبو آنے لگی۔

''Too poetic'' پیچھے کرسی پہ براجمان ہاشم نے اونچی آواز میں تبصرہ کیا تھا۔ زمر اس کی طرف گھومی ہی تھی کہ جج صاحب بولے۔

''آپ کو کوئی اعتراض کرنا ہے کاردار صاحب؟''

''نہیں یور آنر۔ میں تو محض اونچا سوچ رہا تھا۔'' سادگی سے شانے اچکائے۔ اس خوشبو کا اثر ایک دم ٹوٹ سا گیا۔ زمر واپس گھومی۔ سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔

''سو جب بھی آپ یہ کہتے تھے کہ آپ اسکالرشپ پہ گئے ہیں' آپ اس اسکالرشپ کی حقیقت سے ناواقف ہوتے تھے!''

''جی۔''

''اور جب آپ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے کبھی 'شو آف' نہیں کیا۔''

سعدی نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''جہاں تک مجھے یاد ہے' ایسا ہی ہے۔''

نوشیرواں فوراً ہاشم کی طرف جھکا۔ ''جب میں اس کے ریسٹورانٹ گیا تھا' اور ایک بچہ میری کار کے نیچے آتے آتے بچا تھا' تب اس نے بھرے مجمعے کے سامنے اسکالرشپ کی بات کی تھی۔ تب تو اس کو پتہ تھا۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔''

"وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ اسے یاد نہیں ہوگا۔"

"تو آبجیکٹ کریں نا۔" شیرو جھنجھلایا۔ ہاشم نے اسے گھورا۔

"تاکہ ثابت ہو جائے کہ تم اس کے ریسٹورانٹ گئے تھے! چپ کر کے بیٹھو!" شیرو کڑوا سا منہ بنا کر پیچھے کو ہو گیا۔

دوسری جانب والی کرسیوں پہ پیچھے پیچھے آبدار بیٹھی تھی۔ آج اس کی قطار خالی تھی۔ حنین اگلی قطار میں تھی اور فارس نہیں تھا۔ آبدار گود میں رکھے سیل فون کی سیاہ اسکرین پہ بے خیالی میں انگلی پھیر رہی تھی۔ اس کا ذہن منتشر خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ سیاہ اسکرین پہ نظریں ساکن کیے وہ اس میں جھلملاتا اپنا عکس دیکھنے لگی.....

(دو ماہ پہلے)

وہ اپنے کلینک میں کرسی پہ بیٹھی اور سامنے رکھے لیپ ٹاپ کی سیاہ بجھی ہوئی اسکرین میں اسے اپنا عکس نظر آرہا تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم لگتی تھی۔ اس کے عین پیچھے دیوار گیر کھڑکی سے سورج کی تیز روشنی کے علاوہ اوپر سے نیچے لٹکتی سبز بیلیں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ تبھی دروازہ دھیرے سے کھلا۔ آبدار نے نظریں اٹھائیں۔ ذرا سا مسکرائی۔

ایک متذبذب مگر سنجیدہ سا سعدی چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ آبی اپنی جگہ سے نہیں اٹھی۔ بس سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا آپ اپنے مریضوں کو کاؤچ نہیں پیش کرتیں؟" وہ سامنے والی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

"آپ مریض نہیں ہیں۔ subject ہیں میرے لئے۔ کچھ پئیں گے؟" انٹرکام پہ ہاتھ رکھے اس نے استفسار کیا۔

"اونہوں.... صرف بولوں گا۔"

"کہیے۔ میں سن رہی ہوں۔" سعدی چند لمحے سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھتا رہا۔ وہ ہلکی سی سفید سوئیٹر اور جینز میں ملبوس تھا۔ سوئیٹر کے اندر سے کالر بھی جھلک رہے تھے۔ چہرے سے سوگوار لگتا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر لگتا ہے جیسے سعدی یوسف کا کوئی ghost بیٹھا ہے۔ تم وہ شخص نہیں رہے۔" آبدار کو افسوس ہوا۔

"کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ جو لڑکا میں تھا اگر وہ لڑکا اب مجھے دیکھے تو کیا کہے گا۔ کیا سوچے گا۔" وہ ہلکا سا ہنسا۔ کھڑکی سے باہر لان میں ٹہلتے مور، درختوں پہ بیٹھے پرندے.....

"یہی سوچے گا کہ تمہیں راہ راست پہ لانے کو کون سا لیکچر دیا جائے۔ وہ لڑکا ہر وقت دوسروں کو فکس کرنے والی باتیں سوچتا تھا۔" پھر شرارت سے مسکرا کر آگے ہوئی۔ "کہیں مجھے بھی فکس کرنے تو نہیں آئے۔"

"سوچا بھی تھا، مگر تم میرے لئے میری بہن کی طرح ہو۔ اور اس نے کہا تھا کہ تمہیں جج نہ کیا جائے۔ سو میں یہاں تمہارا شکریہ کرنے آیا ہوں۔ مگر مجھے افسوس ہے میرے پاس تمہیں بتانے کے لئے کوئی لمبا چوڑا NDE نہیں ہے۔"

آبدار حیران ہوئی۔ "مگر تم تو نیئر ڈیتھ سے نکل کر آئے ہو۔ بہت..."

"یہ صرف میرے ڈاکٹر کا اندازہ تھا' ورنہ میں گہرے خواب سے نکل کر موت تک نہیں گیا تھا۔ میں پہلے کبھی بتا نہیں سکا' مگر میں اس لیول تک نہیں جا سکا۔ میں نے صرف ایک خواب دیکھا تھا۔"

"آہاں۔" وہ توجہ سے سننے لگی۔ "کیا خواب؟ یہ کرسی آرام دہ ہے' تم ٹیک لگا کر بیٹھ جاؤ۔" سعدی نے ہلکی سی ٹیک لگائی' مگر سر پیچھے نہیں لگایا۔ وہ کھڑکی سے باہر نظر آتے مور کو دیکھ رہا تھا۔ مور اپنے بھدے پیروں کے ساتھ دھیرے دھیرے ٹہل رہا تھا۔ اس کے پنکھ دھنک کے ساتوں رنگ اپنے اندر سموئے اس کے وجود کے گرد پھیلے تھے۔

"تم نے کیا دیکھا تھا؟" اسے آبدار کی آواز دور سے سنائی دے رہی تھی۔ نگاہوں کے سامنے بس وہ مور تھا۔ اس کے پیروں کے رنگ تھے۔

"میں نے..... خواب دیکھا تھا۔ جب میں چھوٹا تھا تو ایک دفعہ ہم لوگ گئے تھے کسی پہاڑی وادی میں۔ نام یاد نہیں۔ وہاں ایک چشمے پہ بیٹھے ہوئے زمر نے مجھے کہا تھا کہ....." مور دفعتاً ٹہلتے ٹہلتے رک گیا تھا۔ گویا غور سے کسی کو دیکھنے لگا ہو۔ سامنے سے مورنی چلتی آ رہی تھی۔ وہ سفید تھی' برائلر مرغی جیسی سفید اور واجبی سی۔ بلکہ بدصورت سی۔

"زمر نے کہا تھا کہ زندگی میں چاہے کچھ بھی ہو جائے' وہ میری keeper بنیں گی۔ میرا خیال رکھیں گی۔ میری حفاظت کریں گی۔ مگر کوئی بھی میری حفاظت نہیں کر سکا۔"

"تم غصہ ہو سب پہ؟" مورنی اب مور کے گرد چکر کاٹ رہی تھی۔ گول' گول۔

"میں دکھی ہوں۔ مجھے لگتا ہے جیسے..... جیسے....."

"جیسے یہ سب پھر سے دہرایا جائے گا اور تم اس دفعہ سروائیو نہیں کر پاؤ گے۔"

وہ چونک بھی نہیں سکا۔ اس کی توجہ موروں پہ تھی۔ مور کسی راجکمار کی طرح پر پھیلائے اکڑ کر کھڑا تھا اور مورنی اس کے گرد گھومے جا رہی تھی۔

"ہاں۔ مجھے اندر سے یہی خوف لاحق ہے۔ کہ میں پھر سے کسی ٹریجڈی کا شکار ہو جاؤں گا۔"

"کیا تم نے اس خوف کو اپنے اندر سے نکالنے کے لئے کچھ کیا ہے؟"

"کیا کروں؟"

"سوچو۔ کوئی راستہ نکالو۔" وہ آواز گو کہ دور سے آ رہی تھی مگر اس میں رعب تھا۔ اثر انگیزی تھی۔ ایسی مضبوطی کہ وہ اسے جھٹلا بھی نہیں سکتا تھا۔ جیسے اس کا حکم ماننے پہ مجبور ہو۔ نظریں موروں پہ تھیں۔ مورنی اب مور کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

"کیسے نکالوں راستہ؟"

"صرف تم نکال سکتے ہو راستہ۔"

''مجھے انصاف چاہیے۔''

''ہم زندگی میں اکثر چیزوں کی تمنا کر کے سوچتے ہیں کہ جب مجھے یہ مل جائے گا تو میں بہت خوش ہو جاؤں گا۔ غلط۔ خوشی ہمارے اندر ہوتی ہے۔ اگر کچھ نہ ہو کر بھی ہم خوش نہیں ہیں تو کچھ پا کر بھی نہیں ہوں گے۔ ابھی سے ٹھیک ہونے کی مشق کرو گے تو ٹھیک ہو بھی جاؤ گے۔''

''کیا کروں؟'' اس کا وجود کمزور پڑ رہا تھا۔ آواز کمزور تھی۔

''انصاف ڈھونڈو مگر یہ بھی سوچو کہ اگر انصاف نہ ملا تو کیا تم سنبھل سکو گے؟ کیا دوبارہ اٹھ کھڑے ہو سکو گے؟''

''کیا ہو جاؤں گا؟''

''ہاں۔ ہو جاؤ گے۔'' آواز میں یقین تھا' مضبوطی تھی۔ دھونس تھی۔ اس کا اثر دل تک ہوتا تھا۔ اس کا اثر دماغ پہ بھی ہوتا تھا۔

''کیا کرنا ہو گا مجھے انصاف کے لئے؟''

''جو کرنا ہے تمہیں ہی کرنا ہے۔ نہ میں کچھ کر سکتی ہوں' نہ بابا' نہ ذمر' نہ فارس۔ سب نے اپنی اپنی کر کے دیکھ لی۔ مختلف لوگوں نے مختلف طریقوں سے ہاشم کو اس مقام تک لانا چاہا کہ وہ تمہارا مقابلہ کورٹ میں کرے' مگر کوئی کامیاب نہیں ہو سکا۔ صرف تم یہ کر سکتے ہو۔'' مور اب چپ چاپ اپنی مورنی کے قریب بیٹھ گیا۔ پروں کو سمیٹ لیا تھا۔

''میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ میں خود گنہگار ہوں۔'' اس کی آواز کانپی۔

''یہاں سب گناہگار ہیں سعدی۔ ہر ایک کو برے کاموں اور بری لتوں نے جکڑ رکھا ہے۔ کوئی اپنے گناہوں کو جستی قالی کرتا رہتا ہے اور کوئی سیاہ کاریوں کے اندھیرے میں بھی ننھا سا دیا جلائے رکھتا ہے۔ سب ہی گناہگار ہیں۔ تم ہو تو کیا بڑی بات ہے؟''

''میں یہ کیسے کر سکتا ہوں؟ جو کوئی نہ کر سکا وہ میں کیسے کر سکتا ہوں؟''

''کیونکہ تم ہمیشہ وہی کرتے آئے ہو جو کوئی اور نہیں کر سکا۔ میں نے عرصہ پہلے تمہیں کہا تھا' تمہارے اندر ایک ہی خوبی ہے۔ تمہاری باتیں۔ اس کو استعمال کرو۔ ایک دفعہ پھر.....''

موروں کے جوڑے نے یکایک کسی شے کو دیکھا تھا۔ وہ دونوں اٹھ کر آگے کو بھاگے۔ کھڑکی سے نظر آتے لان کے حصے سے وہ غائب ہو گئے۔ سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ دھیرے دھیرے اس کے شل اعصاب بیدار ہونے لگے تھے۔ اس نے آنکھیں مسلیں۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ اسی طرح سادگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا میں.....؟'' وہ پوچھ بھی نہیں سکا۔ وہ حیران تھا۔ وہ اچنبھے میں تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کیا تمہارے ساتھ۔ تم معمولی سے hypnosis (عالمِ تنویم) میں تھے۔ جیسے کوئی کتاب پڑھتے ہوئے' کوئی فلم دیکھتے ہوئے ہم اس میں کھو جاتے ہیں۔ تم بھی گہرے خیال میں تھے۔'' سعدی چند ثانیے اسے دیکھتا رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں چلتا ہوں۔''

''میری باتوں پہ غور کرنا!'' اس نے تاکید کی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرا کر سر ہلا رہا تھا.....

(آج)

''پہلی دفعہ آپ کا ہاشم کاردار سے تعارف کب ہوا تھا؟'' آبدار نے چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ کورٹ روم میں بیٹھی تھی اور دور سامنے' کٹہرے کے نیچے کھڑی زمر سوالات کر رہی تھی۔ وہ سنبھل کر سیدھی ہوئی۔

''آٹھ سال پہلے' جب وہ اپنے مرحوم والد کے ساتھ میرے گھر آئے تھے اپنے ولیمے کا کارڈ دینے۔'' اسٹینڈ میں کھڑا سعدی بتا رہا تھا۔

''آپ کا ان کے بارے میں پہلا تاثر کیا تھا؟''

''یہی کہ وہ ایک بہت اچھا آدمی ہے۔''

''اور اب آپ کو لگتا ہے کہ آپ غلط تھے۔''

''آبجیکشن یور آنر!'' پیچھے بیٹھا ہاشم پکارا تھا۔ ''مسز زمر گواہ سے رائے مانگ رہی ہیں۔'' (گواہ سے گواہی یعنی fact مانگے جاتے ہیں' رائے نہیں۔) ہاشم نے ایک دو واجبی سے اعتراضات کے علاوہ کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

''Sustained'' جج صاحب نے زمر کو اشارہ کیا' اس نے سر کو خم دیا۔

''نوشیرواں کاردار سے آپ کی پہلی ملاقات کب ہوئی؟''

''چند دن بعد جب میں ہاشم کاردار کے گھر گیا۔''

''ابھی آپ کو ان سے ملے چند دن ہی تو ہوئے تھے اور آپ ان کے گھر بھی چلے گئے۔''

''میں اس لئے گیا تھا کیونکہ وہاں میرے ماموں رہتے تھے۔ واپسی پہ میں ہاشم کی طرف چلا گیا۔''

''اور پھر؟''

''میں اسٹڈی میں تھا جب میں نے کراہنے کی آواز سنی۔ دیکھا تو ساتھ والے کمرے کی بالکونی میں نوشیرواں گرا پڑا ہے۔ وہ ڈرگز کی اوور ڈوز کی وجہ سے قریب المرگ لگتا تھا۔ میں نے میری انجیو کو کار نکلوانے کا کہا اور پھر ہم اسے ہاسپٹل لے گئے۔ بہر حال وہ جلد ٹھیک ہو گیا۔''

''آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے اسکی جان بچائی!''

''میں کہہ نہیں رہا۔ سب گواہ ہیں اس کے۔''

''اوکے!'' زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ انکھیوں سے وہ مسلسل جج صاحب کے تاثرات بھی دیکھ رہی تھی۔ وہ اب تھوڑی تلے ہتھیلی جمائے' کہنی ڈیسک پہ ٹکائے' متوجہ مگر سپاٹ چہرے کے ساتھ سعدی کو دیکھ رہے تھے۔

''مسز کاردار سے آپ کا کیسا تعلق تھا؟''

"میں اپنی اور مسز کاردار کی تمام ای میلز کا ریکارڈ کورٹ میں جمع کرا چکا ہوں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مجھے اپنے بیٹے کی جاسوسی کرنے کے لئے کہتی تھیں اور میں محض اس کی بھلائی کے لئے ان کو بتا دیتا تھا اگر نوشیرواں کسی غلط کام میں ملوث ہوتا تو۔ بہت دفعہ میں نے نوشیرواں کا پردہ بھی رکھا' مگر یہ ایک ماں کا حق تھا۔"

"لیکن جب نوشیرواں کو آپ کے سامنے یونی میں مارا پیٹا گیا تو آپ نے اسے کیوں نہیں بچایا؟"

"میں نے اپنے انٹرویو میں بتایا تھا کہ میں نے اس لئے نہیں بچایا کیونکہ ہاشم کاردار نے مجھے منع کیا تھا' کیونکہ اس نے خود اپنے بھائی کو پٹوایا تھا تاکہ وہ اس کی دوست آبدار عبید کو تنگ نہ کرے۔"

"یہ جھوٹ بول رہا ہے۔" جواہرات بے یقینی سے ہاشم کے قریب ہوئی۔ "تم نے اس کو نہیں بتایا تھا۔"

"کیا اس کو پتہ تھا بھائی!" شیرو ہلکا سا غرایا۔ ہاشم خود بھی چونکا تھا۔ "نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ جھوٹ کیوں بول رہا ہے۔" وہ حیران تھا۔

"سو آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہاشم جس لڑکی کو پسند کرتا تھا نوشیرواں اس کو ہراساں کرنے لگا تھا' سو ہاشم نے اپنے ہی بھائی کو پٹوایا؟" زمر کے لہجے میں بے یقینی تھی۔ ہاشم ابرو اکٹھے کیے آگے کو ہوا۔ وہ متحیر تھا۔

"جی۔ جیسا کہ میں نے اپنے انٹرویو میں کہا تھا' ہاشم کی میل ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے اور میں اس کی کاپی آپ کو دے چکا ہوں۔ آپ اس سے اندازہ کر سکتی ہیں کہ ہاشم ہی اپنے بھائی کا دشمن تھا میں نہیں۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

جب زمر نے ایک کاغذ جج صاحب کو اور ایک ہاشم کو پکڑایا تو ہاشم نے تیزی سے ناک پہ عینک لگائی اور اسے پڑھا۔ جواہرات اس کے کندھے سے جھک کر اسے پڑھ رہی تھی۔ سعدی اور زمر نے مسکراتی نظروں کا تبادلہ کیا۔ یوں لگتا تھا دفاع کی کرسیوں پہ کھلبلی سی مچ گئی ہو۔

"یہ تمہارا لکھنے کا اسٹائل ہے۔ ای میل بھی درست لگ رہی ہے۔ فارنزک میں بھی درست ثابت ہو گی ورنہ زمر اس کو جمع نہ کراتی۔ ہاشم یہ کیا ہے۔" جواہرات نے تلملا کر اسے گھورا۔ وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"یہ درست ہے مگر یہ کسی نے بیک ڈیٹ میں جا کر اب بھیجی ہے' کوئی جس کو ان امور میں مہارت ہو اور....." چونک کر اس نے گردن موڑی۔ استغاثہ کی کرسیوں پہ پیچھے بیٹھی حنین کو دیکھا۔ وہ (جج صاحب سے نگاہ بچا کر) ہاتھ پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ پھر ہاتھ اٹھا کر' ہتھیلی ہاشم کو دکھائی۔ BINGO۔ ہاشم نے اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ مسکرا کر شانے اچکا کر سامنے دیکھنے لگی۔

ہاشم گہری سانس لے کر سیدھا ہوا۔ "وہ جھوٹ نہیں بول رہا' " اس نے مدھم سرگوشی کی۔ "وہ کہہ رہا ہے کہ یہ سب میں نے انٹرویو میں کہا تھا۔ یہ سچ ہے کہ وہ یہ سب انٹرویو میں کہہ چکا ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ رہا کہ ایسا ہوا بھی تھا۔ technically یہ جھوٹ نہیں ہے اور وہ پکڑا نہیں جا سکتا۔ لعنت ہے۔"

"تو اس نے انٹرویو دنیا کو ایموشنل کرنے کے لئے نہیں دیا تھا؟ بلکہ عدالت میں اپنے الفاظ کی ہیرا پھیری کرنے کے لئے دیا تھا!"

"میں نے ایک دفعہ بھی اس کا انٹرویو نہیں سنا۔ ڈیم اِٹ۔" ہاشم کا غذ لے کر اٹھا۔

"یور آنر یہ ای میل خود ساختہ ہے میں نے ایسی کوئی میل سعدی کو نہیں کی۔"

"رئیلی ہاشم؟ کیا تم پروو کر سکتے ہو؟" زمر نے سادگی سے آنکھیں جھپکائیں۔ ہاشم گہری سانس لے کر واپس بیٹھ گیا۔ ایک تیز نظر سعدی پہ ڈالی۔ اس نے بھی مسکرا کر کندھے اچکائے تھے۔

زمر واپس سعدی کی طرف گھومی۔ استغاثہ کے بینچ میں واضح تبدیلی آئی دکھائی دیتی تھی۔ مسکراہٹیں بڑھ چکی تھیں۔ آرام دہ ماحول بن چکا تھا۔ زمر نے اگلا سوال پوچھنے سے پہلے غیر ارادی طور پہ انگلی میں پہنی انگوٹھی کو گھما کر پیچھے دھکیلا۔ اس کا نیلا ہیرے جیسا چمکتا نگینہ ڈھیروں روشنیاں پھوٹنے لگا۔ ایسی خوبصورت روشنیاں کہ اگر تم ان میں دیکھنے لگو تو تمہاری آنکھیں چندھیا جائیں اور پھر تم کچھ اور نہ دیکھ سکو.... ہیروں جیسی روشنیاں......

(دو ماہ پہلے)

اور جب یہ روشنیاں چھٹیں تو سامنے ایک خوبصورت وادی تھی۔

سبز پہاڑوں کے درمیان بل کھاتی نیلی سڑک کسی آبشار کی طرح اونچائی سے نیچے گر رہی تھی۔ سڑک پہ چہل قدمی کرتے سیاح' دکانوں کا رش' اپنا اپنا سامان بیچتے خوانچہ فروش' اوپر تیرتے بادل' ان سب سے بے نیاز وہ دونوں سڑک کنارے چلتے اوپر سے نیچے آ رہے تھے۔

فارس نے اپنی بھوری جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال رکھے تھے' سر پہ پی کیپ تھی' اور زمر سیاہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بال ڈھیلے جوڑے میں باندھے' گردن جھکائے قدم بقدم نیچے اتر رہی تھی۔ دفعتاً اس نے سر اٹھایا اور کچھ اداسی سے بائیں طرف چلتے فارس کو دیکھا۔

"ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟ بلکہ میں ادھر کیا کر رہی ہوں؟ مجھے تو اس وقت کورٹ میں ہونا چاہیے تھا۔"

فارس کے چہرے پہ خفگی ابھری۔ کیپ والا سر موڑ کر اور آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھا۔

"کیا ہم نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ کم از کم ان تین چار دنوں میں ہم نوشیرواں کے ٹرائل کی بات نہیں کریں گے۔"

"میں اس ٹرائل کی بات نہیں کر رہی۔ کل اس کی پیشی تھی اور نہ ہاشم گیا نہ میں۔ میں اپنے کورٹ کیسز کی بات کر رہی ہوں۔ میں ایسے ہی ادھر آ گئی۔ میرا اتنا کام پڑا تھا پیچھے۔" اس نے سر کو ذرا جھٹک کر گال کو چھوتی گھنگریالی لٹ پرے ہٹانی چاہی۔ (گرم جیبوں سے ہاتھ نہیں نکالے۔) لٹ کان تک گئی اور پھسل کر واپس گال پہ آ گئی۔

"جی ہاں۔ جانتا ہوں۔ پتہ ہے مجھے آپ وکیل کیا کرتے ہیں۔ لمبی لمبی فیسیں لے کر تاریخ پہ تاریخ دیتے جاتے ہیں۔ آپ کی چند دن کی غیر حاضری سے کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ ویسے بھی عدالت میں جا کر آپ نے جھوٹ ہی بولنا ہوگا۔ اچھا ہے نا' چند دن آپ کے اس بائیں کاندھے والے نگہبان کو ریسٹ ملے گا۔"

"ہاں ہاں تم تو جیسے جیل میں نعتیں پڑھتے تھے۔ لنگر بنایا کرتے تھے۔" وہ مسکرا کر تندہی سے بولی تھی۔

فارس نے جیبوں سے ہاتھ نکال کر جیکٹ کا کالر جھٹکا۔

"سوشل ورک کرتا تھا میں۔"

"ہاں' کسی کی پسلی توڑی تو کسی کا جبڑا۔ سوشل ورک رائٹ!"

"استغفراللہ۔ کیوں میری مقبولیت سے جلتی ہیں۔" وہ مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ٹھنڈی سی سرمئی سڑک کے اردگرد پھیلے سبز پہاڑوں سے قطعاً بے نیاز وہ دونوں چلتے جا رہے تھے۔ "جیل میں لوگ مجھے پسند کرتے تھے۔"

"غلط۔ تم سے ڈرتے تھے۔"

"کچہری میں لوگ آپ سے نہیں ڈرتے کیا؟"

"میری عزت کرتے ہیں۔"

"جی ہاں' بڑی عزت سے آپ کو چڑیل کہتے ہیں۔"

"فارس غازی!" وہ خفگی سے ایک دم گھوم کر اس کے سامنے آئی۔ فارس کے قدم رک گئے۔ مسکراہٹ دبا کر اس کے چہرے کو دیکھا جو برہمی سے تمتمانے لگا تھا۔

"ہم تین دن کی بریک پہ آئے ہیں اور تم اس طرح کی باتوں سے باز نہیں آئے جو مجھے غصہ دلاتی ہیں۔"

"آپ کو کون سی باتیں غصہ نہیں دلاتیں۔" مگر اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

"وعدہ کرو مجھ سے کہ کم از کم ان تین دنوں میں اب تم کوئی بدکلامی نہیں کرو گے۔" فارس نے تابعداری سے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

"رئیلی سوری۔ میں واقعی چاہتا ہوں کہ ہمارا یہ سفر خوشگوار رہے۔ اس لیے میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان تین دنوں میں ..... کوئی سچ نہیں بولوں گا۔"

اسے پھر سے غصہ آیا مگر ہنس دی اور سر جھٹک کر واپس چلنے لگی۔ وہ بھی مسکرا کر نیچے اترنے لگا۔ دونوں ساتھ ساتھ تھے۔ کندھے سے کندھا' کہنی سے کہنی۔ برابر۔ ہم قدم۔

رش بڑھ رہا تھا۔ وہ جس گلی میں اتر آئے تھے وہاں دونوں اطراف میں دکانیں تھیں۔ لوگوں کا شور' گہما گہمی عروج پہ تھی۔ کہیں سے پکوڑوں اور باربی کیو کی مہک بھی آتی محسوس ہو رہی تھی۔ زمر نے شاپس کی قطار کو دیکھ کر کہا۔

"ویسے تم نے مجھے کبھی گفٹ نہیں دیا۔" وہ سوچتے ہوئے بولی تھی۔ فارس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"اور وہ جسے آپ میرے تیسرے سسر کے حوالے کر آئی تھیں' وہ کیا تھا؟"

"اونہوں!" زمر نے ناک سکوڑی۔ "تب میں تمہاری بیوی نہیں تھی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اب مجھے کچھ لے کر دو۔ ڈھیر سارے پیسے خرچ کر کے ایک قیمتی سا گفٹ۔"

''مفت تو وہ لونگ بھی نہیں تھی۔ اس میں solitaire ڈائمنڈ تھا۔ پتہ ہے کتنے کا آتا ہے؟'' وہ جل کر بولا تھا۔

''اُف فارس!'' اس نے شدید خفگی سے اسے دیکھا۔ دونوں وادی کے بازار کے بیچ میں سڑک پہ آمنے سامنے ٹھنک کھڑے ہوئے تھے۔

''اب کیا تحفے کی قیمت بتاؤ گے؟''

''بل بھی دکھا سکتا ہوں۔''

''کتنے کنجوس ہو۔ ایک تحفہ تک نہیں لے سکتے میرے لئے۔ پہلی بیوی کو تو بہت تحفے دیتے تھے۔ ساڑھیاں، ہینڈ بیگز۔''

''اس کو شوق تھا۔''

زمر نے پلکیں جھپکا کر کھولیں۔ ''مجھے نہیں ہے کیا؟''

''تمہیں؟'' فارس ہنسا اور ناک سے مکھی اڑائی۔ ''تمہیں ساڑھیاں اور ہینڈ بیگز کون دے۔ تمہارے لئے سب سے بڑا تحفہ پتہ ہے کیا ہوگا؟ کسی وکیل کے کمپیوٹر کا ڈیٹا چرا کر دے دو تا کہ تم اسے بلیک میل کر سکو۔ کسی کے غیر قانونی پلاٹ قبضے کے خلاف ثبوت اکٹھے کر کے دو' تا کہ تم اس کو جیل بھیج دو۔ تمہیں میں اس طرح کے بہت سے تحفے دے سکتا ہوں۔ چلو بتاؤ شروع کہاں سے کریں؟''

زمر نے خفگی سے اس کی کہنی پہ ہتھیلی بند کر کے ماری اور پھر آگے بڑھ گئی۔ وہ تیزی سے پیچھے آیا۔ ''یار میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں۔'' پھر رکا۔ آنکھوں میں چمک اتری۔ ہلکا سا مسکرایا۔ ''بلکہ میرے پاس پیسے ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے 'میرے پیسے۔''

''واٹ ایور۔ تم بتاؤ تمہیں کیا چاہیے۔'' اس کے انداز پہ وہ رکی' گردن گھما کر ابرو اٹھا کر اسے سوالیہ انداز میں دیکھا۔ فارس نے سر کو خم دیا۔

''مجھے؟'' اس نے لب آپس میں مس کیے' اوپر نگاہیں اٹھا کر سوچا۔

''مجھے ڈائمنڈز چاہئیں۔ بہت خوبصورت اور قیمتی ڈائمنڈز۔ بلکہ ادھر مارکیٹ میں آگے جا کر بہت اچھے اچھے جیولرز ہیں۔ چلو میرے ساتھ' اور مجھے کچھ لے کر دو۔ میں بہت خوش ہوں گی۔''

''جو حکم!'' وہ گہری سانس لے کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ (ہاں یہ خوش ہو لیں' اگلا بندہ چاہے کنگال ہو جائے۔ ڈائمنڈز چاہئیں۔ ہونہہ۔) چہرے کے زاویے بگڑے بگڑے سے تھے۔

چند ثانیے دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ مختلف بولیاں اور شور سنتے رہے۔ پھر وہ بولا۔ ''ویسے تم نے اس سب سے پہلے کبھی میرے بارے میں سوچا تھا؟ برسوں پہلے۔''

''ان باتوں کا اب کیا فائدہ فارس؟''

''بتاؤ نا۔'' وہ مصر تھا۔ پھر ایک دم سمجھنے والے انداز میں بولا۔ ''ویسے میں جانتا ہوں کہ تمہارے لئے یہ یاد کرنا مشکل ہوگا' کیونکہ تم فطرتاً

ایک انتہائی خود غرض، سیلف سینٹرڈ اور خود پرست لڑکی واقع ہو لیکن پھر بھی۔ کبھی موقع ملا کسی دوسرے انسان کے بارے میں سوچنے کا؟''

زمر چپ رہی۔ تھوڑی دیر تک کچھ نہ بولی۔ خاموشی سے چلتی رہی۔

''تم مجھے برے کبھی نہیں لگے۔ بلکہ میں تمہاری بہت عزت کرتی تھی۔ ہمیشہ تمہیں ہاشم سے کمپیئر کرتی تھی۔ تمہاری سب کے سامنے تعریف کرتی تھی۔ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تمہارا میرے لئے پرپوزل آیا ہے تو میں کبھی انکار نہ کرتی اور سوچنے کے لئے ایک دن سے زیادہ وقت نہ لیتی۔''

''اچھا۔'' وہ مسکرایا۔ ''مجھے نہیں پتہ تھا تم شروع سے مجھ سے محبت کرتی تھیں۔''

''ایک منٹ۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔'' وہ غصہ ہوئی تھی۔

''مجھے تو صرف یہی سنائی دیا ہے۔''

وہ اور بھی بہت کچھ کہنے لگا پھر رک کر ساتھ چلتے ایک ریڑھی بان کی ریڑھی کو دیکھنے لگا۔ اس پہ رنگ برنگی ڈھیروں چیزیں رکھی تھیں۔ کلپ، پنیں، جیولری۔ زمر نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔

''تمہیں اچھی لگی یہ فارس؟'' وہ ایک انگوٹھی کو دیکھ رہا تھا۔

وہ چونکا، پھر سنبھل کر مسکرایا۔ ''نہیں میں اس لئے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اور میں مذاق کر رہا تھا۔ میرے پاس ہیں پیسے۔ میں تمہیں کسی اچھی سی جیولری شاپ سے قیمتی ڈائمنڈز لے دوں گا۔ چلو۔''

مگر وہ نہیں ہلی۔ آگے بڑھ کر ریڑھی سے پلاسٹک ریپر میں لپٹی انگوٹھی اٹھائی اور الٹ پلٹ کر دیکھی۔ پھر فارس کو دیکھا۔ ''تم مجھے یہی لے دو۔''

''مذاق اڑا رہی ہو کیا؟'' وہ دبی آواز میں خفگی سے بولا۔

''اونہوں۔'' وہ طمانیت سے مسکرائی۔ ''مجھے قیمتی زیور چاہیے تھا۔ مہنگا نہیں۔ اتنا تو پڑھ سکتی ہوں تمہیں کہ معلوم ہو جائے یہ اچھی لگی ہے تمہیں۔ تحفوں کی قیمت نہیں دیکھی جاتی ان کے ساتھ جڑی فیلنگز دیکھی جاتی ہیں۔ فرمائشیں قیمتی چیز کی کرنی چاہیے ضروری نہیں ہے کہ وہ مہنگی ہی ہو۔' اس نے ریپر فارس کی طرف بڑھایا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا اور پھر والٹ نکال کر ریڑھی بان کو ادائیگی کرنے لگا۔

چند لمحے بعد وہ دونوں وہیں ٹھیلوں اور اسٹالز کے ساتھ کھڑے تھے اور فارس وہ نیلے پتھر والی ہیروں کی سی چمک لئے انگوٹھی اسے پہنا رہا تھا جو دو سو پچاس روپے کی تھی۔ زمر نے اسے پہن کر ہاتھ اوپر اٹھا کر دیکھا۔

سورج کی کرنوں کے نقلی ہیرے سے ٹکرانے پر اصلی روشنیاں پھوٹنے لگی تھیں۔ یوں کہ سارے پہ روشنی چھا گئی... تیز نیلی روشنی.....

(آج)

جب وہ بجھی تو انگوٹھی زمر کی انگلی میں تھی، اور ہاتھ سے اوپر کلائی پہ سیاہ کوٹ کی آستین جھلکتی تھی۔ نظر اٹھا کر دیکھو تو وہ اس روشن سے کمرہ

عدالت میں کٹہرے کے سامنے کھڑی تھی اور سعدی یوسف سے پوچھ رہی تھی۔

"قید کے دوران آپ سے کون کون ملنے آتا تھا؟"

"ہاشم کاردار' جواہرات کاردار' کرنل خاور' جس کو بعد میں میرے ساتھ قید کر دیا گیا اس کے علاوہ چند ایک بار آبدار عبید آئی تھیں۔" وہ سپاٹ سے انداز میں بتاتا گیا۔ حاضرین میں بیٹھی آبدار سر جھکا کر موبائل دیکھنے لگی۔

"میں جانتی ہوں یہ آپ کے لئے تکلیف دہ ہوگا سعدی' لیکن کیا آپ قید کے پہلے روز سے آخر روز تک کی داستان مختصراً یہاں سنانا چاہیں گے۔"

"جی بالکل یہ میرے لئے تکلیف دہ ہے۔" سعدی نے کرب سے آنکھیں بند کیں اور پھر کھولیں۔ "مگر اپنی کہانی کا اَن کہا یا اَن سنا رہ جانا زیادہ تکلیف دہ ہے۔ بہر حال' جیسا کہ میں نے اپنے انٹرویو میں بتایا تھا' مجھے سب سے پہلے ایک ہسپتال لے جایا گیا' وہاں ایک دفعہ میں نے باتھ روم کے روشن دان کو....."

اور ہاشم نے تپ کر نفی میں سر جھٹکا تھا۔ "واہ۔ اب یہ انٹرویو کے نام پہ اپنی مرضی کی کہانی کانٹ چھانٹ کر کے سنائے گا۔"

سعدی کو دیکھو تو وہ کٹہرے پہ ہاتھ رکھے کھڑا کہانی سنا رہا تھا۔ اس کے لب ہل رہے تھے مگر اسے خود کو اپنی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی.... بھوری آنکھوں میں بھورے شعلے سے جل بجھ رہے تھے۔ ہر دفعہ پلکیں جھپکنے پہ نیا منظر ابھرتا اور ایسے تیزی سے ابھرتا کہ دیکھنے والا اندر ڈوب جائے.... دور اندر.....

(دو ماہ پہلے)

مورچال میں زمر اور فارس کی غیر موجودگی نے عجیب ویرانی کر رکھی تھی۔ حنین کو نت نئے شوق چڑھ گئے تھے۔ ہر وقت گھر کے کسی کونے میں کھڑی ہوتی گردن اٹھائے تنقیدی نگاہوں سے در و دیوار کا جائزہ لیتی نظر آ رہی ہوتی تھی۔ بلکہ نظر کہاں آتی تھی۔ وہ تو مصروف ہو گئی تھی۔ بیٹھ کر خاکے بناتی رہتی یا ہوم امپروومنٹ اور ہوم ڈیکور کی ویب سائٹس دیکھتی رہتی۔ اب وہ لوگوں سے بات کم کرتی تھی' ان کے پیچھے کھڑی دیواریں زیادہ دیکھتی تھی۔ یہاں ایسا فریم لگاؤں' یہاں ایسا تھری ڈی آرٹ ٹھونکوں۔ یہاں وال مورال ہونا چاہیے۔ یہ وہ۔

ایسے میں سعدی اپنے کمرے میں یونہی اداس سا بیٹھا تھا۔ دروازہ کھلا تھا اور سامنے والے کمرے سے ندرت کی لتاڑنے' ڈانٹنے اور پھر رک کر سمجھانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مخاطب اسامہ تھا جو اکھڑا اکھڑا سا بیٹھا تھا۔ قد لمبا ہوا' مگر سمجھ نہیں۔ ندرت کا موقف تھا کہ وہ مغرب کی نماز کے بعد مسجد سے سیدھا گھر آئے گا" اور اگر تمہارا کوئی دوست کبھی گھر کے دروازے تک آیا نا تو میں نے جوتا اٹھا کر اسے مار مار کر وہیں گنجا کر دینا ہے۔ یہ گھروں تک لانے والی دوستیاں ذرا پسند نہیں مجھے۔" آگے سعدی کی مثالیں۔ اسامہ کو برا لگ رہا تھا۔ "میں کوئی برے لڑکوں سے دوستی تو نہیں کرتا۔ اور سعدی بھائی کا زمانہ اور تھا۔ اور آپ مجھ پہ شک کیوں کرتی ہیں۔"

سعدی آرام سے اٹھا اور دروازہ بند کر دیا۔ آوازوں کا راستہ رک گیا۔ جانتا تھا' مسئلے گلے پانچ' چھ سال تک چلیں گے۔ بچوں کی

آنکھوں پہ بندھی پٹی اترنے کے لئے کم از کم بھی بیس سال کی عمر کو پہنچنا ہوتا ہے۔ کھینچنے اور نوچنے یا سوراخ چھیدنے سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ بس دھیرے دھیرے پٹی ڈھیلی کرنی ہوتی ہے، بہت سی باتوں سے صرفِ نظر اور ڈھیر ساری توجہ۔ مگر ابھی وہ امی کو سمجھانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ابھی وہ خود سمجھنا چاہتا تھا۔ اپنا دماغ سوچوں سے خالی کرنا چاہتا تھا۔ کوئی روزن کھلے کوئی روشنی آئے۔

وہ اسٹڈی ٹیبل پہ آ بیٹھا۔ یہ اس کے چھوٹے باغیچے والے گھر سے مختلف اور زیادہ خوبصورت تھی۔ مگر اجنبی لگتی تھی۔ کونے میں چند کتابوں کے اوپر قرآن مجید رکھا تھا۔ سعدی نے اسے اٹھایا اور چند لمحے اس کتاب کو ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا۔ وہ بھاری تھی مگر دلوں کو ہلکا کر دیتی تھی۔

ایک گہری سانس لے کر اس نے صفحے پلٹائے۔

"میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔"

"اور کہا انہوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ جب ہو جائیں گے ہم مٹی اور ہمارے باپ دادا بھی تو کیا ہم (پھر قبروں سے) نکالے جائیں گے؟ بلاشبہ ہوتا رہا ہے ہم سے یہ وعدہ۔ ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے اس سے پہلے۔ نہیں ہیں یہ مگر پہلوں کی کہانیاں۔ کہہ دو کہ چلو پھرو زمین میں پھر دیکھو کہ کیا انجام ہوا مجرموں کا اور نہ غم کرنا ان پر اور نہ تنگی میں ہونا اس سے جو چالیں یہ چل رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کب ہوگا یہ وعدہ پورا اگر تم سچوں میں سے ہو۔ کہہ دو شاید کہ آپہنچا ہو نزدیک تمہارے کچھ اس میں سے جس کی تم جلدی کر رہے ہو۔"

اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

"اللہ تعالیٰ میرا دل بہت ٹوٹا ہوا ہے، بہت ویران ہے، اور اب میں امید بھی کھوتا جا رہا ہوں کہ کبھی مجھے بھی انصاف ملے گا کیا؟ دور اندر مجھے لگتا ہے کہ میں بھی تو گناہگار ہوں۔ کسی پہ قتل کا الزام لگایا ہے، دو قتل بھی کیے ہیں۔ یہی تو ہاشم کے جرائم تھے۔ قتل کا الزام فارس پہ اور دو لوگوں کا قتل۔ گناہ ویسے ہی ہیں تو کیا گناہگار بھی ویسا ہی ہوں؟" ہولے سے سر جھٹکا۔ "پتہ نہیں میرے ساتھ کیا ہوگا لیکن کیا ان کے ساتھ کبھی کچھ ہوگا یا نہیں؟ کیا مجھے انصاف ملے گا اللہ؟ مجھے قیامت والے حساب سے پہلے یہاں کا حساب چاہیے۔ تا کہ کوئی تو عبرت پکڑے۔

مگر اللہ تعالیٰ، جب انسان کے باپ دادا کو سزا نہیں ملتی، والدین کو ان کی سیاہ کاریوں کے باعث کوئی نہیں پکڑتا یا خود ہمارے ماضی میں ہمارے گناہوں پہ کوئی پکڑ نہیں ہوتی تو ہمیں لگتا ہے کہ وہ گناہ justified تھے۔ اللہ کو وہ برے نہیں لگے۔ ہم نئے گناہ کرتے جاتے ہیں۔ یہ سوچ کر کہ ایسے فتوے اور ایسی نصیحتیں پہلے بھی سن رکھیں مگر اللہ راضی ہے ہم سے۔ لیکن اللہ کی شریعت flexible تو نہیں ہے نا۔ کہ ہر کسی کے لئے الگ الگ رخ پہ مڑ جائے۔ اصول تو برابر ہیں۔ سب کے لئے۔ پھر ہم اتنے لاپرواہ کیوں ہوتے جاتے رہے ہیں؟ پھر وہ لوگ اتنے لاپرواہ کیوں ہیں؟" اور پھر وہ چونکا۔ "لیکن اگر میں یہ سمجھوں کہ ان کو سزا انہیں ملے گی ان کے باپ دادا کی طرح تو یہ "کفر" ہے۔ امید چھوڑنا کفر ہے۔ تو پھر....." اس نے اچنبھے سے کلامِ مجید کے اوراق کو دیکھا۔ "کیا میں امید رکھوں؟ کیا میں زمین میں چل پھر کر دیکھوں؟ ان تمام کیسز کو دیکھوں جن کے فیصلے آئے تھے؟ ان تمام لوگوں کا انجام دیکھوں جو عدالتی حکم کے بغیر ہی قدرتی آفات کا شکار ہوئے تھے؟ تو کیا ہمیں کبھی امید نہیں چھوڑنی چاہیے؟ میں غم کو ترک کر دوں، دل کی تنگی سے خود کو نکالوں اللہ؟ ان آیات پہ غور کروں تو میرے

کرنے کا کوئی کام نہیں ہے' انصاف اور عذاب اللہ دے گا' مجھے بس وہ یہ کہتا ہے کہ غم نہ کرو۔ دل کی تنگی کا شکار نہ ہو۔ کیونکہ یہ چیزیں امید لے جاتی ہیں۔ ان لوگوں کی مدت شاید قریب ہو' بہت قریب۔ میں نے کچھ نہیں کرنا۔ صرف ترک غم کرنا ہے۔ یہ وسائل' پیسہ' تعلقات' عدالتی کارروائی کی جنگ نہیں ہے۔ یہ اعصاب کی جنگ ہے اور غم مجھے گھول دے گا۔ مجھے اب غم نہیں کرنا۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی بات ماننی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم اپنی اپنی کشادگی کا انتظار کرتے ہم لوگ اپنے آپ کو غموں اور ڈپریشن سے نکالیں۔ مجھے اب غم نہیں کرنا۔ تب ہی حل نظر آئے گا۔" وہ بے خودی کے عالم میں بولتا جا رہا تھا۔ لب ہل رہے تھے' آنکھوں کے کنارے بھیگے ہوئے تھے مگر اپنی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

(آج)

کٹہرے میں کھڑے سعدی نے بھوری آنکھیں زمر پہ جمائے گہرا سانس لیا۔ خواب سا ٹوٹا۔ وہ اب پوچھ رہی تھی۔

"اس کے بعد کیا ہوا؟"

"میں یہ بات انٹرویو میں بھی کہہ چکا ہوں' سب جانتے ہیں کہ پھر مجھے کینڈی میں دوبارہ پکڑا گیا' مگر ہاشم کو اطلاع ابھی نہیں کی گئی تھی' یا شاید وہ پہنچا نہیں تھا۔ اگلی صبح ایک آدمی میرے پاس آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ چند دن بعد مجھے پاسپورٹ اور پیسے دے دیے جائیں گے۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ مجھے پاسپورٹ دے دیا گیا اور مجھے جانے دیا گیا۔ غالباً وہ لوگ ہاشم سے دغا کر رہے تھے۔ ہاشم کے اپنے پارٹنرز جیسے کہ ہارون عبید چاہتے تھے کہ میں آزاد ہو کر ہاشم کے خلاف بولوں۔ میں نے وہی کیا جو مجھے کہا گیا تھا۔ میں پاکستان آ گیا اور یہاں آ کر اپنی ویڈیو ریلیز کر دی۔ اب چونکہ میں مشہور ہو گیا ہوں اس لئے یہ لوگ مجھے مار نہیں سکتے۔"

"آبجیکشن یور آنر!" ہاشم نے وہیں سے بیٹھے بیٹھے بےزاری سے کہا تھا۔ زمر نے مڑ کر اسے دیکھا۔ "کس بنیاد پہ؟ ویسے آپ اپنی باری کا انتظار کیوں نہیں کرتے؟ گواہ کو کراس کرتے وقت سب پوچھ لیجئے گا۔" ہاشم خاموش ہو گیا۔ زمر واپس مڑی۔

"کیا پاکستان واپس آنے کے بعد آپ سے ہاشم کاردار نے کسی قسم کا رابطہ کیا؟" سوالات' الفاظ' سب مدھم ہوتے گئے۔ کمرہ عدالت میں گونجتی ساری باتیں گڈمڈ ہو کر عجیب سا ملاپ بنانے لگیں.... یوں کہ حرف حرف الگ ہو گیا اور نئے لفظ بننے لگے......

(دو ماہ پہلے)

ہوٹل کے خوبصورت سے بیڈروم کے بیج کلر کے پردے دیوار گیر کھڑکیوں کے سامنے سے ہٹے تھے اور جالی دار سفید پردے شیشوں کے آگے لہرا رہے تھے۔ پردوں کی جالی نے منظر کو قدرے دھندلا دیا تھا۔ مدھم سا دکھائی دیتا تھا کہ باہر بالکونی ہے اور نیچے دور تک پھیلے سبز پہاڑ اور ان کے بیچ بستی وادیاں۔ کھڑکی کے آگے دو آمنے سامنے رکھی کرسیاں پڑی تھیں۔ زمر اور فارس مقابل بیٹھے تھے۔ درمیان میں چھوٹی میز تھی جس پہ scrabble کا کانچ کا بارڈ کھلا پڑا تھا۔ لکڑی کے ننھے ننھے چوکور ٹکڑوں پہ لکھے حروف ان دونوں کے سامنے اسٹینڈز پہ پڑے تھے۔ زمر ایک ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی [illegible] جا رہی تھی۔ وہ آگے ہو کر بیٹھا غور سے کی بورڈ کو دیکھتا [illegible] اپنے پاس موجود

حروف کو۔

''مان لو ہار۔ میں تمہیں شرمندہ نہیں کروں گی۔'' زمر نے مسکراہٹ دبائے فیاضی سے کہا تھا۔ آگے کو جھکے فارس غازی نے محض ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ابھی وہ وقت نہیں آیا جب آپ سے ہار مانی جائے۔ مجھے سوچنے دیں۔''

''ویسے اتنے سال تم نے جیل میں سوشل ورک کرنے کی بجائے تعلیم کی طرف توجہ دی ہوتی تو پڑھی لکھی بیوی کے سامنے شرمندہ نہ ہو رہے ہوتے۔'' وہ مسکرا کر پیر جھلا رہی تھی۔

''آپ مسلسل چیٹنگ کر کے جیت رہی ہیں، پڑھی لکھی، ہونہہ۔'' خفگی سے سر جھٹکا۔ پھر حروف کو دیکھنے لگا۔

''چچ چچ۔ ہر ہارنے والا یہی کہتا ہے۔''

فارس نے جواب دیے بنا چند حروف اٹھائے اور پہلے سے۔۔۔rise کے پیچھے لگا دیے۔ اب وہ یوں بن گیا zumarise۔ زمر ایک دم سیدھی ہوئی۔ ''یہ کوئی لفظ نہیں ہے۔''

''نہیں نہیں۔ یہ ایک لفظ ہے۔'' وہ تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ چہرہ اٹھا کر بولا۔ ''اور اس کا مطلب ہوتا ہے جھوٹ کو سچ کے پردے میں لپیٹ کر پیش کرنا۔ محتاط الفاظ کا چناؤ کر کے عدالت میں حلف دلوا کر گواہ سے جھوٹ بلوانا مگر کہنا technically یہ سچ ہے۔ ہر دوسری بات پہ کسی شریف انسان کو بلیک میل کرنا اور دھمکانا۔ باتوں کی ہیر پھیر سے اپنا مطلب نکالنا، اور دھونس جمانا۔ یہ واقعی ایک لفظ ہے۔''

زمر اب آنکھیں تیکھی کر کے اسے گھور رہی تھی۔ ''یہ چیٹنگ ہے۔''

''نہیں زمر بی بی، یہ ڈبل ورڈ اسکور ہے جو میرے کھاتے میں لکھا جائے گا۔'' اب وہ قلم اٹھا کر نوٹ پیڈ پہ بنے کالمز میں سے ایک میں لکھ رہا تھا۔ زمر نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''فارس، یہ آخری دفعہ تھا، اب اگر تم نے کوئی لفظ بنایا جو ڈکشنری میں نہ ہوا تو تم ہار جاؤ گے۔''

''مجھے یقین ہے یہ ڈکشنری میں ہو گا۔ چیک کر لیں بے شک۔'' ساتھ رکھی دبیز ڈکشنری کی طرف اشارہ کیا۔ زمر ناک سکوڑ کر آگے ہوئی اور اپنی پلیٹ میں لگے حروف پہ غور کرنے لگی۔ وہ ایک محظوظ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ گھنگریالے بال کھول کر چہرے کے ایک طرف ڈالے، اس کی پلکیں پلیٹ پہ جھکی تھیں، اور بار بار حروف کو چھوتی انگلی میں انگوٹھی موجود تھی۔ اس نے چند حروف کو دیکھا جو بورڈ پہ سجے تھے، اور پھر مسکرائی۔ ان کے درمیان چند حروف گھسا دیے اور فاتحانہ نظریں اٹھا کر فارس کو دیکھا۔

Farcissism

''یہ کوئی لفظ نہیں ہے، پراسیکیوٹر صاحبہ۔'' اس کا موڈ خراب ہوا۔

''ہے نا۔'' وہ ہتھیلی پہ ٹھوڑی گرائے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اس کا مطلب ہوتا ہے ایک خاص قسم کا برتاؤ۔ اور جانتے ہو، ایسا

برتاؤ کرنے والا کون ہوتا ہے؟ انتہائی اکھڑ، ریزروڈ، کسی پہ اعتبار نہ کرنے والا، غصیلا، بدمزاج، ہر بات چھپا کر رکھنے والا، اداکار......"

"اور گڈ لکنگ!" اس نے لقمہ دیا۔

"اور گڈ لکنگ، اور ہر وقت لڑنے کو تیار، گہرے راز رکھنے والا، خود کو عقل کل سمجھنے والا، arsonist، جیل یافتہ، بلیک میلر.....یہ سب ہوتا ہے اس کا مطلب۔" وہ انگلیوں پہ گنواتی گئی۔

"استغفر اللہ۔ میں آپ کو ایک شائستہ اور ٹھنڈے مزاج کی خاتون سمجھتا تھا۔" وہ افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"لفظ بناؤ، غازی۔ باتیں نہ بناؤ!" اس نے چیلنج کیا۔ وہ سر جھٹک کر اگلا لفظ بنانے لگا۔ m سے اس نے mat بنایا تھا۔ زمر کی نظریں ابھی تک زمرائز کے "زی" پہ تھیں۔ جس کے نیچے ڈبل ورڈ اسکور کا خانہ تھا اور ذرا نیچے ٹرپل ورڈ اسکور۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی۔ پھر اس نے چوکور ٹکڑے بورڈ پر رکھے۔ زی کے اوپر نیچے حروف سجائے۔

Ghazi

"یہ چیٹنگ ہے۔ یہ لفظ ڈکشنری میں نہیں ہے اور یہ اصول تھا کہ ہم نام نہیں بنائیں گے۔"

"دنیا تمہارے نام کے گرد نہیں گھومتی۔ یہ ڈکشنری میں ہے۔" وہ گردن کڑا کر بولی تھی۔

"زمر بی بی اگر یہ ڈکشنری میں نہ نکلا تو؟" اس نے ڈکشنری پہ ہاتھ رکھا۔ زمر نے جھٹ اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

"اگر یہ نہ نکلا تو میں ہار جاؤں گی، تم جیت جاؤ گے۔ نکل آیا تو میں جیت جاؤں گی اور تم ہارو گے۔" فارس کے ہاتھ پہ اس کا ہاتھ تھا اور وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"یہ ڈکشنری میں نہیں ہے۔" وہ چبا چبا کر بولا، کتاب کھینچی اور اسے کھولا۔ صفحے پلٹائے۔ انگلی دوڑاتا گیا۔ اوپر سے نیچے۔

"جی ایچ.....جی ایچ....." وہ مطلوبہ کالم تک آیا۔ لبوں پہ مسکراہٹ غائب ہوئی۔ چونک کر سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ دلچسپی سے اسے دیکھتی مسکرا رہی تھی۔ ادھر صفحے پہ لکھا غازی (مسلم وار ہیرو) اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

"کہا تھا نا، تھوڑا بہت پڑھ لیا ہوتا جیل میں تو آج کام آ جاتا۔ خیر، میں تمہیں شرمندہ نہیں کروں گی۔" وہ آگے کو جھکی اور بازو لمبا کر کے ہاتھ سے اس کا چہرہ تھپتھپایا۔ فارس نے "اونہوں" اپنا چہرہ جھٹک کر پیچھے ہٹایا۔ ماتھے پہ خفگی سے بل پڑ گئے تھے۔

"آپ مسلسل چیٹنگ کر کے جیتی ہیں۔ ہر دوسری باری پہ آپ مجھے اسکریبل کا نیا اصول بتاتی ہیں جو میرے باپ دادا نے بھی نہیں سنا۔ جبکہ میں پوری ایمانداری سے کھیل رہا ہوں۔"

"ہاں، ایک اس بات کا تو یقین ہے مجھے کہ اب تم میرے ساتھ پورے ایماندار ہو۔ اور یہ بھی کہ کم از کم اب تم مجھ سے کوئی بات چھپا نہیں رہے۔" وہ مسکرا کر سارے ٹکڑے بورڈ سے اٹھا رہی تھی۔ حروف بکھر گئے۔ الفاظ ٹوٹ گئے۔

فارس بالکل سن سا بیٹھا رہا۔ اندر تک اس کا وجود ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ جیسے کوئی انسان برف کے صحرا میں ٹھنڈ سے مر جائے۔ سفید.....نیلا.....

لمحے بھر میں وہ پیچھے چلا گیا.....

وہ ڈاکٹر قاسم کے کلینک میں بیٹھا تھا... اور وہ کہہ رہے تھے۔

"مگر میں .... برا آدمی نہیں ہوں۔" فارس اٹھنے لگا۔

"میں اب چلتا ہوں۔ مگر یاد رکھیے گا کہ زمر کو آپ وہی کہیں گے جو میں نے آپ کو سمجھایا ہے' ورنہ میرا اسنائپر آپ کو کسی بھی وقت نشانہ بنا سکتا ہے۔" وہ موبائل جیب میں ڈالتا کھڑا ہوا تھا۔

"کیا آپ جانتے ہیں فارس غازی کہ اس ملک میں بلکہ اس دنیا میں ہر سال ہزاروں عورتوں کو جبراً seterlize کیا جاتا ہے؟"

وہ بالکل ٹھہر گیا تھا۔ بہت سے چکر الٹے ہوئے تھے۔ "سوری؟"

"امریکی جیلیں ہوں یا پاکستان کے ہسپتال' یا دیہات میں لگے فری کیمپ' یہاں زخم کسی اور شے میں ہوتا ہے' اور سرجری کے بہانے اس عورت کو seterlize (بانجھ) کر دیا جاتا ہے۔ بعد میں کہا جاتا ہے کہ آپریشن کے دوران یہ ناگزیر تھا۔ بعض عورتوں کے رشتے دار بھی یہ کام کرواتے ہیں۔ صرف ایک ڈاکٹر ڈھونڈو' اسے پیسے دو اور یہ ہو جاتا ہے۔"

وہ بالکل سُن رہ گیا تھا۔ "کاردارز نے پیسے دیے تھے اس کی غلط سرجری کرنے کے لئے؟ وہ ان گولیوں کی وجہ سے ایسی نہیں ہوئی تھی' بلکہ اس کو بعد میں یہ نقصان پہنچایا گیا تھا۔" وہ سفید پڑ رہا تھا۔ متحیر' بے یقین۔

"مسز کاردار چاہتی تھیں کہ وہ شادی نہ کر سکے تاکہ وہ ایک مضبوط گواہ کے طور پہ آپ کو جیل بھیج دے۔ اس کے گردے واقعی گولیوں کی وجہ سے خراب ہوئے تھے مگر اس سرجری کے لئے ڈاکٹرز کے پینل کو مسز کاردار نے خریدا۔ اس کے بعد بھی مسز زمر صرف ان ڈاکٹرز کے پاس گئیں جن کی طرف ہم ان کو ریفر کرتے تھے۔ مسز کاردار چاہتی تھیں کہ ہم ان کو بالکل تباہ کر کے....."

ڈاکٹر قاسم اپنی بات مکمل نہیں کر سکے تھے۔ وہ کسی بھوکے شیر کی طرح ان پہ جھپٹا تھا۔ گریبان سے پکڑ کر زمین پہ گرایا اور پھر اس کی آنکھوں کے سامنے سرخ دھند سی چھا گئی۔ وہ دیوانہ وار اس کو مار رہا تھا' پیٹ رہا تھا' جس کا کتنا خون نکلا' کون سی ہڈی ٹوٹی' کتنے دانت خون میں لتھڑ کر باہر گرے' اسے کچھ ہوش نہیں تھا۔ مگر اس سرخ دھند میں اس نے اس کی دبی دبی سی کراہ سنی۔

"میری پوری بات سنو۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا تھا۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔ میری بھی ایک بیٹی ہے۔ میں نے صرف رپورٹس میں ادل بدل کیا تھا۔ مسز کاردار کو نہیں معلوم۔ کسی کو نہیں معلوم۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا تھا۔" وہ خون آلود منہ اور اکھڑی سانسوں کے درمیان کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں اس لئے بتا رہا ہوں کہ اب یہ بات کھل جائے گی۔ وہ ٹھیک ہے وہ ماں بن سکتی ہے۔ ہاں..... مشکل سے ہوگا۔ اس کے گردوں کی وجہ سے کافی مشکل ہوگا۔ مگر ممکن ہے۔ بہت زیادہ ممکن ہے۔ میں نے صرف رپورٹس اور دوائیاں بدلی تھیں' اور......"

وہ ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ اس کے سفید سوئیٹر پہ خون لگ گیا تھا... سرخ تازہ خون......

فارس نے زمر کو دیکھا جو اسکریبل کے ننھے ٹکڑے سجا رہی تھی اس کے جھکے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ الفاظ ٹوٹ ٹوٹ

کرچڑتے گئے۔ جڑ جڑ کر ٹوٹتے گئے......

(آج)

''سعدی یوسف' کیا آپ کی ہاشم کاردار سے پاکستان آنے کے بعد اپنے وکلاء کی غیر موجودگی میں کوئی ملاقات ہوئی ہے؟'' زمر اس سے پوچھ رہی تھی۔ کٹہرے میں کھڑے سعدی نے نظریں اٹھا کر سامنے بیٹھے ہاشم کو دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ پرانے دنوں کے بہت سے سائے لہرائے۔

''مجھے یاد نہیں۔'' اس نے شانے اچکائے۔ ہاشم ہلکے سے مسکرایا۔ بس ایک ثانیے کو اس نے آنکھیں بند کیں تو اندھیرا چھا گیا۔

(دو ماہ پہلے)

نیم اندھیر کلب میں لاؤنج کی طرح کی جگہ بنی تھی۔ مدھم رنگ برنگی بتیاں سارے میں محو رقص تھیں۔ کچھ بھی صاف نظر نہ آتا تھا۔ بڑے صوفے پہ ارد گرد کھاتے پیتے ٹہلتے لوگوں سے بے نیاز ہاشم کاردار ڈنر جیکٹ میں ملبوس' موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔ ٹائی ندارد۔ کالر کا اوپری بٹن کھلا تھا۔ وہ آرام دہ سا بیٹھا تھا۔ پس منظر میں بجتی موسیقی اعصاب کو سکون دے رہی تھی۔ ایسے میں کوئی اس کے ساتھ آکر بیٹھا۔ وہ اپنی اسکرین کو دیکھتا رہا۔ ہلا تک نہیں۔ نظر بھی نہیں اٹھائی۔ بس اسکرین پہ انگلی پھیرتے ہوئے بولا۔ ''قانوناً تم اپنے وکلاء کی غیر موجودگی میں مجھ سے نہیں مل سکتے۔ تم سے کورٹ میں اس بارے میں پوچھا جا سکتا ہے۔ سعدی یوسف!''

''میں یہاں سے گزر رہا تھا تو ادھر آ گیا۔ اور اب یہاں ایک پبلک پلیس میں بیٹھا ہوں۔ اتفاق سے تم میرے ساتھ بیٹھے ہو۔ اس میں میرا کیا قصور ہوا؟'' ہاشم نے اب کے نظریں گھما کر اسے دیکھا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' سیاہ آدھی آستین کی ٹی شرٹ اور نیلی جینز میں ملبوس بیٹھا تھا۔ اب اس نے گردن موڑ کر ہاشم کو دیکھا۔ ہلکا سا مسکرایا۔

وہ آنکھیں اندر تک زخمی تھیں۔ مگر ان زخموں کے کھرنڈ لگتا تھا بننے لگ گئے ہیں۔

''کہو۔ کیا چاہتے ہو؟'' ہاشم نے فون رکھ دیا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''کبھی سوچا تھا تم نے ہاشم' کولمبو کے اس تہہ خانے میں جب ہم ملتے تھے' کبھی وہاں بیٹھے سوچا تھا کہ ایک روز ہم یوں بھی ملیں گے؟''

''اگر تو تم مجھ سے کوئی اعتراف جرم کروانا چاہتے ہو تو.....''

''وہ میں کروا چکا ہوں۔ وہی دکھانے آیا ہوں۔ میں تمہارے آفس 21 مئی کو اسی لئے آیا تھا۔'' اس نے موبائل اسکرین پہ ویڈیو پلے کی اور موبائل ہاشم کو دے دیا۔ اندھیرے کمرے میں اتنے رش اور شور کے باوجود بھی وہ اس ویڈیو میں چلتی آواز صاف سن سکتا تھا۔ اسکرین پہ وہ پاور سیٹ پہ بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ اور وہ بولے جا رہا تھا۔ بہت سے اعتراف جرم۔ HD کوالٹی ویڈیو۔ صاف آواز۔
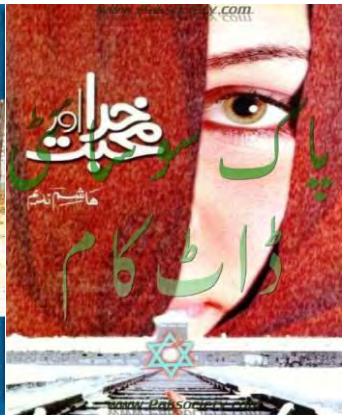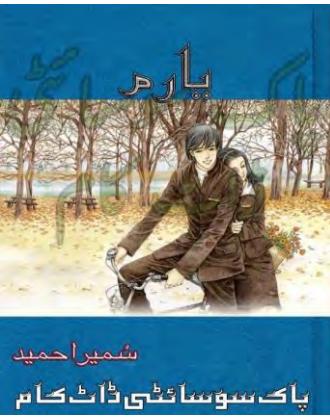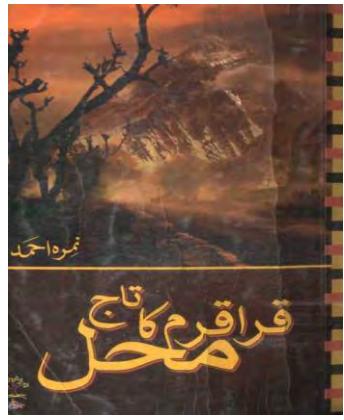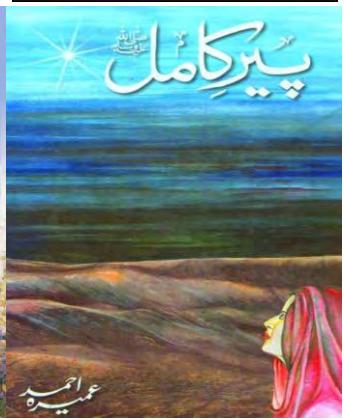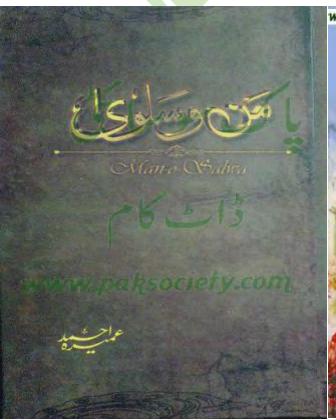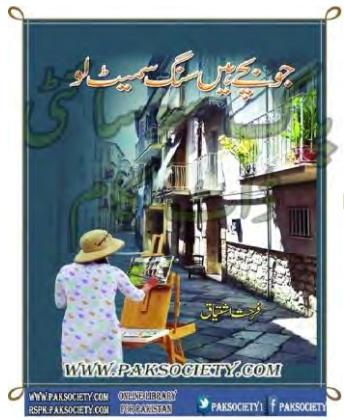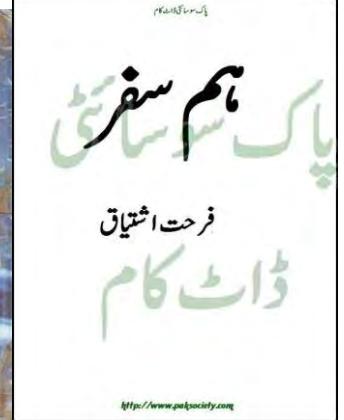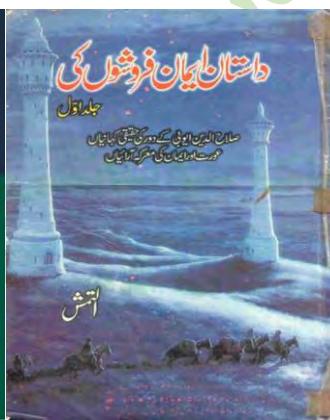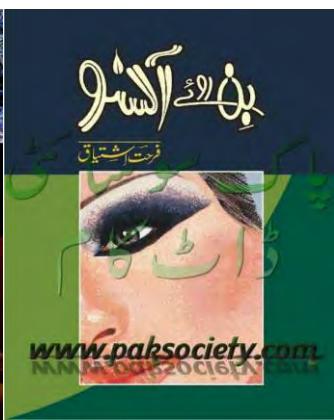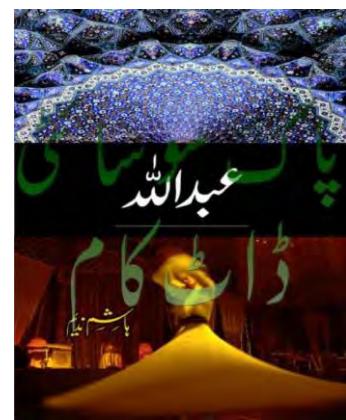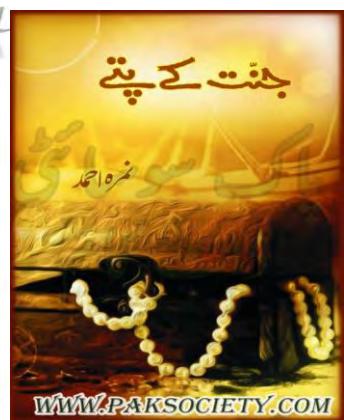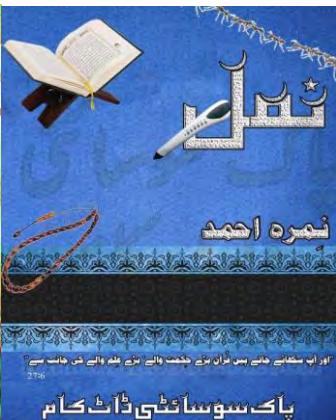
ہاشم کاردار کی گردن پہ پسینہ آنے لگا۔ وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا ٹائی ڈھیلی کرنے کو گریبان تک ہاتھ لے کر گیا مگر ٹائی تو گردن کو کسے ہی نہیں ہوئے تھی۔ ؟

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

''تم اسے کورٹ میں استعمال نہیں کر سکتے۔'' اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ سونی کی آنکھیں نگاہوں کے سامنے گھوم رہی تھیں۔

''مگر میں اسے یوٹیوب پہ لیک تو کر سکتا ہوں۔ ایڈٹ کر کے۔ دیکھو نا' تمہارا اعتراف جرم کتنا دلچسپ ہے۔ juicy اور سنسنی خیز۔ میڈیا کتنے ہی دن اس کو چلائے گا۔'' وہ اب مزے سے مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ ''اور پھر میں اس ویڈیو کو سونیا کے ٹیب پہ اپ لوڈ کر دوں گا۔ تم وہاں سے مٹاؤ گے تو میں سونیا کے ہر کلاس فیلو کے فونز اور ٹیب پہ اسے بھیج دوں گا۔ میں اس بات کو یقینی بناؤں گا کہ تمہاری بیٹی اس ویڈیو کو دیکھ لے' اس کو زبانی رٹ لے۔ وہ اس ویڈیو کے ساتھ بڑی ہو گی۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں چلی جائے' یہ ویڈیو اسے ڈھونڈ لے گی۔ وہ اس سے کبھی بھاگ نہیں سکے گی۔ اور وہ جتنی دفعہ اسے دیکھے گی' تم پہ بے یقینی اور اس ویڈیو پہ یقین بڑھتا جائے گا۔ وہ اگلے دس سال تک اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکے گی۔'' وہ اس کے ساتھ بیٹھا' گردن موڑ کر اسے دیکھتا کہہ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں سرد تھیں' مسکراہٹ بھی سرد تھی' اور ہاشم کی رنگت زرد پڑ رہی تھی۔ وہ کوئلے جیسی رات میں سونے کی طرح پیلا ہو رہا تھا۔ تنفس تیز ہو گیا تھا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں تمہاری بیٹی کو اس سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ میں اس کو give اپ کر دوں گا۔ اپنی زبان دیتا ہوں۔ نہ عدالت میں استعمال کروں گا۔ نہ انٹرنیٹ پہ ڈالوں گا۔ تم میری اور سونیا کی ویڈیو گو اپ کر دو' جس میں میں نے اسے اغوا کیا تھا۔ ہم دونوں اپنے سب سے بڑے ثبوت گنوا کر آؤ نہتے اس میدان میں لڑتے ہیں۔ اپنی زبانوں' اپنے سچ اور جھوٹ کے ساتھ۔ تم اپنی دلیلیں دو' میں اپنی دوں گا۔ آؤ اس کیس کو ختم کرتے ہیں مگر لڑ کر۔ بھاگ کر نہیں۔''

ہاشم کتنی دیر اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ کبھی بے چینی سے۔ کبھی ترحم سے۔

''مجھے تمہیں عدالت میں ڈیل کرنا ہو گا۔'' اس کی آواز دھیمی تھی۔ ''میں یہ نہیں کرنا چاہتا۔ میں ایک دفعہ تمہاری زندگی برباد کر چکا ہوں۔ دوبارہ نہیں کرنا چاہتا۔ تم شاید یقین نہ کرو لیکن تم مجھے سونی اور شیرو اور ممی اور آبی کی طرح اب بھی اتنے ہی عزیز ہو۔'' سعدی کے لبوں پہ زخمی سی مسکراہٹ گویا تلملائی تھی۔

''عزت اور ذلت وکیلوں کے ہاتھ میں نہیں ہوتی۔ جس کے ہاتھ میں ہوتی ہے' وہ چاہے تو سب ٹھیک ہو سکتا ہے چاہے تو سب بگڑ سکتا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں رہنے دو عزت کو۔ اور تمہیں جو کرنا پڑے تم کرو۔''

''مجھے ہر حد تک جانا ہو گا۔ سب سے پہلے تم گواہی کے لیے پیش ہو گے۔ میں ایک فقرے میں تمہیں تباہ کر دوں گا۔ میں جیت جاؤں گا' سعدی۔ میں کیس سے نہیں ڈرتا۔''

''تمہیں جس حد تک جانا ہے' تم جاؤ۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ مگر اس کیس کو لڑو۔ ایک اسپیڈی ٹرائل لڑ دو تا کہ چند ماہ میں فیصلہ آ جائے۔ آر یا پار۔'' اس کے لہجے میں عزم تھا۔ ہاشم اسے دیکھے گیا۔ پھر اس نے چہرہ واپس موڑ لیا۔ سامنے دیکھنے لگا۔ سعدی موبائل

جیب میں ڈالتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیا تم مجھے معاف کر سکتے ہو؟'' سعدی یوسف کے قدم زنجیر ہوئے اس نے چہرہ موڑا۔

''ہاشم!'' وہ اداسی سے مسکرایا۔ ''یہ کیس میں تمہارے خلاف نہیں لڑ رہا۔ یہ میرے اور نوشیرواں کے درمیان ہے۔ اور وہ مجھ سے معافی مانگے بھی تو میں اسے معاف نہیں کروں گا۔ سی یو ان کورٹ!'' وہ اب دور جا رہا تھا۔ نیم اندھیرے میں وہ گم ہو گیا تھا۔

ہاشم کاردار نے موبائل اسکرین روشن کی۔ فوٹو گیلری کھولی۔ اس نوٹ کی تصویر نکالی جو اس نے چند دن پہلے لے کر محفوظ کر لی تھی۔ اس پہ لکھا نمبر زبانی ازبر کیا اور پھر ٹوئٹر کھولا۔

''ہر حد!'' اس نے تازہ ٹوئیٹ میں وہ نمبر ''گڈ ایوننگ پاکستان!'' لکھ کر آگے ڈالا اور ٹوئیٹ پبلک کر دی۔ ابھی اس نے موبائل واپس رکھا ہی تھا کہ وہ تھرتھرایا۔ ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ بلاکڈ نمبر سے پیغام موصول ہوا تھا۔

''اپنے کمرے کی سنگھار میز کی سب سے نچلی دراز کھولو۔ سعدی یوسف کا پاسپورٹ.... مکمل پاسپورٹ تمہیں وہیں ملے گا۔'' ہاشم والٹ اور چابیاں اٹھا کر تیزی سے باہر کو لپکا تھا۔

(آج)

''مجھے یاد نہیں۔'' سعدی یوسف ایک اور سوال کے جواب میں کہہ رہا تھا۔ سب حاضرین تماشائیوں کی طرح خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان میں حنین بھی بیٹھی جو مسلسل دانت سے ناخن کتر رہی تھی۔ سوچتی نظریں زمر پہ تھیں جو سعدی سے سوال در سوال پوچھ رہی تھی۔

اس کی ناک کی لونگ سونے کی بنی تھی اور پچھلی لونگ سے ذرا مختلف تھی۔ مگر ہیرا ہو بہو تھا۔ حنہ کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر آئی... اور اسے یوں لگا گویا ارد گرد پتھروں کی پتیاں بکھر گئی ہوں۔ خوشبو سی خوشبو تھی۔

(دو ماہ پہلے)

زمر اپنے کمرے سے نکلی تو حنین سامنے کھڑی تھی۔ بالوں کو جوڑے میں لپیٹ کر گول مول باندھتی زمر نے چونک کر حنہ کو دیکھا۔ مورچال میں صبح کی مخصوص گہما گہمی تھی۔ کچن سے سیم اور سعدی کی آوازیں آ رہی تھیں، مگر حنین یہاں کھڑی تھی۔

''کیا ہوا؟''

''جنید کو خالی ڈبی کچن کے فرش پہ ملی تو اس نے پورا کچن چھان مارا۔ کچرے کی ٹوکری سے آپ کی لونگ ملی۔ سونا ذرا پگھل چکا تھا۔ سو میں آپ کے پیچھے.....'' اس نے کمر پہ کیا ہاتھ سامنے کیا تو اس پہ سفید مخملیں ڈبی رکھی تھی۔ ''اس کو جیولر پہ لے کر گئی۔ اس نے ڈائمنڈ کو نکال کر نئی لونگ میں جڑ دیا۔ یہ وہی لونگ ہے، اور وہ نہیں بھی ہے۔ اندر وہی ہے، مگر بیرونی سانچہ فرق ہے، احساس وہی ہے، مگر گلٹ اور بوجھ جیسی آلائشوں سے پاک ہے۔ میں نیا ڈائمنڈ نہیں لینا چاہتی تھی۔ کوئی کسی کی جگہ نہیں لے سکتا زمر!'' مسکرا کر اس نے وہ ہیرا پیش کیا۔ زمر کے ہاتھوں نے جوڑے کو چھوڑ دیا۔ بال پھسل کر پیچھے گرے۔ وہ متحیر سی اس ڈبی کو کھول کر دیکھ رہی تھی.....

ادھر کچن میں سیم سعدی سے ناخوشی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔

"آپ کو وہ ویڈیو ان کے خلاف استعمال کرنی چاہیے تھی۔"

"یہ میرا طریقہ ہے اسے استعمال کرنے کا ہاشم کے خلاف۔ یقین کرو سیم ہم اس کو ویسے استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ ہر گیند کھیلنے والی نہیں ہوتی۔ کسی کسی گیند کو روکنا بھی ہوتا ہے۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔ اسامہ مسکرا دیا۔

"انسان کو کوئی چیز نہیں ہرا سکتی جب تک کہ وہ خود ہار نہ مان لے۔"

سعدی نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ "یہ کس کا ڈائیلاگ ہے۔"

"عمران خان کا ہے بھائی!" اس نے برا سا منہ بنا کر بتایا تھا۔ وہ ان سب کی آوازوں سے بے نیاز اپنی سنگھار میز کے سامنے کھڑی اس لونگ کو اپنی مغرور ناک میں سجا دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ لبوں پہ مسکراہٹ پھوٹ رہی تھی۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا اور فارس باہر نکلا تو وہ اس کی طرف گھومی اور شانے اچکائے۔ فارس کی نظریں ٹھہر گئیں۔

"وہی ہے۔" وہ مسکرا کر بولی تھی۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ اس کے چہرے سے ہی سب ظاہر تھا۔ وہ مبہوت ہوا تھا۔ گردن میں ڈوب کر ابھرتی گلٹی واضح نظر آئی تھی۔ آنکھوں میں ایک چمک بھی اتری تھی جو شاید زمر نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ محض تائید میں سر کو خم دیا اور آگے بڑھ گیا۔ ان تاثرات کے لیے وہ جان بھی دے سکتی تھی۔ اسے پہلی دفعہ احساس ہوا تھا۔ مسکرا کر وہ بال برش کرنے لگی تھی۔

(آج)
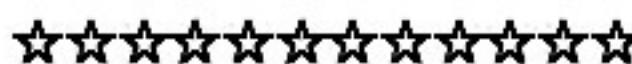
"your witness" زمر کٹہرے کے سامنے سے نیچے اتر آئی تھی۔ دو لفظوں میں ہاشم کو اشارہ کیا۔ اب گواہ ہاشم کا ردار کا تھا۔ وہ جیسے چاہے اس کو کراس کرے۔ (جرح کرے۔)

ہاشم کوٹ کا بٹن بند کرتا' دو کاغذ ہاتھ میں لئے قدم قدم چلتا آگے آیا۔ سب ہنوز خاموش تھے۔ سب کی نظریں ہاشم پہ جمی تھیں۔ پر سکون کھڑے سعدی کی بھی۔

سامنے آکر ہاشم مسکرایا۔ دونوں پرنٹ آوٹ سعدی یوسف کے سامنے لہرائے۔

"کیا آپ کمار نامی اس سنہالی باشندے کو جانتے ہیں؟ یا کیا آپ فصیح نامی اس پاکستانی باشندے کو جانتے ہیں سعدی یوسف؟ کیونکہ ہمارے پاس مصدقہ اطلاعات ہیں کہ کمار کو زہر کا ٹیکہ لگا کر اور فصیح کو گردن توڑ کر آپ نے قتل کیا ہے۔ کیا آپ اللہ کو حاضر ناظر جان کر اپنے انٹرویو کا حوالہ دیے بغیر بتائیں گے کہ آپ ان دو لوگوں کے قاتل ہیں یا نہیں؟"

بہت سی سانسیں ایک ساتھ رکی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ۔)